Globethics Repository

Sirat ar-Rasul: Tahzibi wa Tsaqafati (Part 1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-09-12 07:56:47
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186610

سیرۃُ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی

تہذیبی و ثقافتی اَہمیت

تحقیق وتدوین:

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سیرۃُ الرسول ﷺ کی تہذیبی و ثقافتی اَہمیت
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
تخریج	:	محمد ضیاء الحق رازی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	ستمبر 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/130 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : **سیرۃُ الرسول ﷺ کی تہذیبی و ثقافتی اَہمیت**

تصنیف : **شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**

تحقیق و تدوین : ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

تخریج : محمد ضیاء الحق رازی

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : ستمبر 2007ء

تعداد : 1,100

قیمت پریمئر کاغذ : 100/- روپے

۞ ۞ ۞

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ ڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

فہرس

مشتملات	صفحہ
❁ پیش لفظ	۹
۱۔ ثقافت اور معاشرتی اَقدار	۱۴
۲۔ ثقافت اور تہذیب کا باہمی تعلق	۱۷
۳۔ اسلام سے قبل دنیا کی تہذیبی صورت حال	۱۹
عالمی منظر نامہ	۲۲
۴۔ قبل از اسلام معروف تہذیبیں	۲۵
(۱) سمیری تہذیب (Sumeric Civilization)	۲۵
(۲) مصری تہذیب (Egyptian Civilization)	۲۵
(۳) حِتّی تہذیب (Hittite Civilization)	۲۶
(۴) فونیقی تہذیب (Phoenician Civilization)	۲۶
(۵) یونانی تہذیب (Greek Civilization)	۲۷
(۶) ایرانی تہذیب (Iranian Civilization)	۲۷
(۷) ہندی تہذیب (Indian Civilization)	۲۹

مشتملات	صفحہ
(٨) رومی تہذیب (Roman Civilization)	٣١
(٩) بازنطینی ثقافت (Byzantinian Civilization)	٣١
٥۔ یورپ کی عمومی صورت حال	٣٢
٦۔ جزیرہ عرب کی صورت حال	٣٦
٧۔ اسلامی تہذیب وتمدن	٣٨
٨۔اسلامی تہذیب کے نمایاں اوصاف	٤٦
(١) عقیدہ توحید	٤٧
(٢) عقیدہ رسالت	٥٠
(٣) عقیدہ آخرت	٥٢
(٤) احترام رسالت مآب ﷺ	٥٤
(٥) انسانی مساوات	٥٦
(٦) امن وسلامتی	٥٧
(٧) اصلاح معاشرہ	٦٠
(٨) نظام حکمرانی کی اصلاح	٧٤
(٩) حسن اخلاق اور عدم تشدد	٧٨
(١٠) سادگی	٨١

www.MinhajBooks.com

مشتملات	صفحہ
(۱۱) تواضع اور رواداری	۸۴
(۱۲) انسانی اخوت	۸۷
(۱۳) خواتین کا احترام	۹۰
(۱۴) معاشی مساوات	۹۱
(۱۵) علم وحکمت کا فروغ	۹۳
(۱۶) تجرباتی سائنس کا آغاز	۹۷
(۱۷) مبنی بر حقائق فکری روایت کا آغاز	۱۰۴
(۱۸) تصورِ کائنات کی اصلاح	۱۰۶
(۱۹) سائنسی علوم کا فروغ	۱۰۷
(۲۰) دین و دنیا کا حسین امتزاج	۱۱۹
(۲۱) تہذیبی شناخت کا تحفظ	۱۲۶
۹۔ یورپ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات	۱۲۹
۱۰۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے زوال کے اسباب	۱۴۱
❁ مآخذ و مراجع	۱۴۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

ثقافت کسی بھی قوم کے اجتماعی طرزِ زندگی اور پہچان کا نام ہے۔ کسی بھی قوم اور معاشرے کی معاشرتی اقدار اور اجتماعی اوصاف و خصائل اس کی ثقافت میں منعکس ہوتے ہیں۔ نسل در نسل قوموں کے اطوار و خصائل، عادات و رسوم اور اقدار و روایات بڑھتے بڑھتے تہذیب کے پیکر میں ڈھل جاتے ہیں۔ کسی بھی قوم کی تہذیب اور ثقافت اپنی تشکیل کے لئے اُن بنیادی اُصولوں اور مابعد الطبیعاتی حقیقتوں کی پابند ہوتی ہے جن پر کسی تہذیب، قوم یا معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں کئی تہذیبیں تاریخ کے مختلف ادوار میں موجود تھیں جن میں سرِفہرست مصری تہذیب، حتی تہذیب، فونیقی تہذیب، یونانی تہذیب، ایرانی تہذیب، ہندی تہذیب، رومی تہذیب اور بازنطینی تہذیب ہیں۔ اگر ہم اِن تہذیبوں اور ثقافتوں کا تجزیہ کریں تو اِن کے پیچھے ہمیں اُن قوموں کی سوچ، فکر، نظریہ، عادات و اطوار، خصائل و خصائص اور روایات کارفرما نظر آئیں گی۔ چونکہ ہر معاشرہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ راہِ حق میں انحراف اور نبوی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالنے کے سبب سے انسانی خواہشات کا پابند ہوتا گیا۔ آج حق سے منحرف ہوتے ہوئے ہر معاشرے اور قوم کی تہذیب و ثقافت ایسے انداز میں ڈھل گئی کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس خطے کے لوگوں کے لئے زوال کا باعث بنی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ کی نبوت و بعثت کے بعد چوں کہ انسانیت کو ہمیشہ کے لئے مزید کسی اُلوہی ہدایت سے مستثنیٰ کر دیا جانا تھا، لہٰذا انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دیگر گوشوں کی طرح ثقافتی اور تہذیبی گوشوں میں بھی ایسی رہنمائی دی جانی ضروری تھی کہ جس کی بنیاد پر ایک ایسی آفاقی اور ابدی تہذیب وجود میں لائی جا سکے جو آگے چل کر تادیر موجود رہے اور راہِ ہدایت کے طالبوں اور انسانیت کی بقاو

فلاح اور قیام و استحکام کے متمنّیوں کے لیے ایک نور ہو۔

سیرتِ مبارکہ کا ثقافتی اور تہذیبی حوالے سے مطالعہ ہمیں ان بنیادی اقدار سے آشنا کرتا ہے جن کے بغیر ایک آفاقی، اَبدی اور مستحکم تہذیب کا قیام ممکن نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی تہذیب و ثقافت کی بنیاد جن تین بنیادی تعلیمات پر رکھی وہ توحید، رسالت اور آخرت ہیں۔ اس بنیاد سے انسانیت کی وحدت ہر طرح کے افتراق سے آزاد اور زندگی میں رہنمائی کے لئے اللہ کے عطا کردہ ابدی قانون کی طرف رجوع پر مائل ہوتی ہے اور آخرت احساس ذمہ داری اور جواب دہی کا وہ تصور ہے جو انسان کو قانونِ حق پر استقامت کے ساتھ گامزن رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدّظلہ العالی کی زیرِ نظر تصنیف میں اسلام کی تہذیب و ثقافت کے اصول ومبادی اور نظریہ وعمل کی تفصیلات کا سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تصنیف جہاں اسلام کی تہذیب و ثقافت سے آگاہ کرے گی وہاں موجودہ دورِ زوال میں اور تہذیب و ثقافت کے زوال پذیر ہونے کے اَسباب کے اِزالے کی سبیل بھی مہیا کرے گی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ناظم تحقیق

تحریکِ منہاجُ القرآن

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ نے ملتِ اسلامیہ کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہنمائی فراہم کی۔ ان میں ایک پہلو ثقافتی اور تہذیبی بھی ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کے مقابل اسلام کی تہذیب و ثقافت بالکل منفرد اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہے۔اس کی بنیادی وجہ وہ اُصول وضوابط اور افکار ونظریات ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اُسوۂ حسنہ کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کوعطا فرمائے۔ ثقافت کی تمام ترجہات میں اُسوۂ حسنہ سے ہمیں ایسی جامع راہنمائی میسر آتی ہے جس سے بیک وقت نظری، فکری اور عملی گوشوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ ایسی جامعیت دنیا کی کسی دوسری تہذیب یا ثقافت میں موجودنہیں ہے۔

قبل اس کے کہ سیرت مبارکہ کی ثقافتی وتہذیبی اہمیت پر روشنی ڈالیں، اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ ثقافت فی نفسہٖ کیا ہے؟ ماہرین کے مطابق ثقافت معاشرتی وراثت کے مختلف عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔ اس کا تعلق ان افکارونظریات کے ساتھ ہے جنہیں معاشرے کے افراد اختیار کرتے ہیں اور یہ افکارونظریات ان کی عملی زندگی میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے میں آنے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں میں ایک محرک ثقافت بھی رہا ہے۔ ثقافت معاشرتی اورسماجی تبدیلی کا موجب ہوتی ہے، اگروسیع تر تناظر میں ثقافت کے مفہوم ومعنی کاتعین کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت معاشرے کاایک ایسا پہلو ہے جس کا تعلق ان انسانی سرگرمیوں کے ساتھ ہے جو انسانی معاشرے میں انجام پاتی ہیں اس طرح ثقافت میں علوم، فنون اور عقائد سب شامل ہو جاتے ہیں اور اس میں معاشرے کے مختلف افراد کے وہ اسباب زندگی بھی شامل ہیں

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

جن کے تحت وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ یعنی ثقافت معاشرے کے اعتقادی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں سے عبارت ہے۔ تاہم ثقافت کے محتویات کے باب میں ماہرین کی آرا مختلف ہیں:

> The term culture is often used to cover the whole range of man's activities when these are viewed psychologically. The anthropologist applies the term to the work of primitive man in making tools, baskets, boats and the like; these are referred to as forms of material culture. The popular mind thinks of culture in terms of polite society, where it connotes good manners and grammatical speech. The crude person who lacks these, even though he be far superior to the savage with his "culture", is referred to as "uncultured", meaning unrefined. Just as the term animal is used to cover various fauna from a tiny insect to a large mammal, so the term culture is often extended to the glimmerings of intelligence in primitive men and the graces of those who move in the best circles of urban society. It will be seen at once that we cannot make headway in the analysis of cultural types among modern nations if we apply the term so indiscriminately.(1)

’’ثقافت کی اِصطلاح انسانی زندگی کی تمام سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، جب انہیں نفسیاتی طور پر دیکھا جائے۔ علم البشریات کے ماہرین اس اصطلاح کو ابتدائی انسان کے کام مثلاً اوزار بنانا، ٹوکریاں، کشتیاں اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مادی ثقافت کی مختلف شکلیں ہیں، کی اصطلاح

(1) Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, p. 75.

کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ عام ذہن ثقافت کو مہذب معاشرہ کی اصطلاح سمجھتا ہے جہاں یہ اچھے آداب و اطوار اور مہذب علمی گفتگو کا مظہر ہوتی ہے۔ ایک غیر مہذب فرد کو جو ان اوصاف سے محروم ہو اور چاہے وہ اپنی صحرائی اور وحشی ثقافت میں فائق تر ہی کیوں نہ ہو اسے غیر تہذیب یافتہ یعنی غیر شائستہ سمجھا جاتا ہے بالکل اس طرح جیسے لفظ، جانور ایک معمولی کیڑے مکوڑے سے بڑے جانوروں تک تمام نوع حیوانات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح لفظ ثقافت میں ابتدائی انسان کی ذہانت کی معمولی جھلملاہٹ سے لے کر جدید شہری آبادی کے شکوہ تک سب شامل ہیں۔‘‘

بعض ان میں صرف معرفت، عقائد، فنون اور اخلاق کو شامل کرتے ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک اس میں دین، خاندان، جنگ، امن جیسے ضابطے بھی شامل ہیں جو انسانی نفسیات اور حیاتیات تک کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم مشرق اور مغرب کے تصورِ ثقافت کو دیکھیں تو اسلام اور غیر اسلامی دنیا کے تصورِ ثقافت میں بنیادی فرق تصورِ دین کا ثقافت کا عنصر ہونا ہے۔ کیوں کہ مغربی نظریات میں دین سے مراد ایک مابعد الطبیعاتی نکتہ نظر ہے جس کا تعلق علوم وفنون سے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ زندگی کی زندہ اور عملی قدر نہیں جبکہ اسلامی نکتہ نظر میں دین مابعد الطبیعاتی اور فلسفیانہ حقیقت نہیں ہے بلکہ زندگی کی ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج اور باہر نہیں ہے کیونکہ جب دین کو محض ایک فلسفیانہ مسئلہ سمجھ لیا جائے تو اس سے عقیدہ اخلاقی اقدار اور زندگی کے عملی معاملات سے بالاتر ہو کر ایک مجرد تصور رہ جاتا ہے۔ جس کا زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ زندگی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کا مظہر آج کا مغربی معاشرہ ہے۔ جبکہ اسلام کے معاشرتی نظام میں دین کو زندہ قدر قرار دیا گیا ہے۔ زندگی کی کوئی بھی حقیقت اور کوئی بھی معاملہ چاہے اس کا تعلق سماجیات سے ہو، معاشرتی اُمور، سیاسیات یا اقتصادیات سے ہو، قومی، ملکی یا بین الاقوامی اُمور سے ہو، یہ سب کے سب دین میں داخل

ہیں۔ دین کے فراہم کردہ اُصولوں کی روشنی میں ان اُمور کو چلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ دنیوی مقاصد اور مفادات کبھی بھی کسی بھی صورت میں دینی اقدار اور معیارات سے آزاد، الگ اور خود مختار نہیں رہتے۔

ا۔ ثقافت اور معاشرتی اَقدار

ثقافت معاشرتی اقدار کے تعین میں بنیادی اور کلیدی کردار ادا کرتی ہے:

Wherever human beings form communities, a culture comes into existence. Cultures may be constructed on a number of levels: in village or city locations, or across family, clan, ethnic, and national groups. All communities produce a linguistic, literary, and artistic genre, as well as beliefs and practices that characterize social life and indicate how society should be run. Culture transcends ideology, and is about the substance of identity for individuals in a society. An awareness of a common language, ethnicity, history, religion, and landscape represent the building blocks of culture.(1)

’’جہاں کہیں بنی نوع انسان کوئی بستی تشکیل دیتے ہیں کلچر وجود میں آجاتا ہے۔ کلچر کئی سطحوں پر تشکیل پاتا ہے مثلاً گاؤں یا شہر میں یا خاندان، قبیلہ، نسلی اور قومی گروہوں میں تمام گروہ ایک لسانیاتی، ادبی اور فنی صنف تخلیق کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ عقیدے اور اعمال بھی جو اس کی سماجی زندگی کے مظہر ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ معاشرے کو کیسے چلانا ہے۔ کلچر (اپنی جامعیت کے لحاظ سے) نظریئے پر فائق ہوتا ہے اور معاشرے میں افراد کی شناخت کا باعث بھی ایک

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs* in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p. 457.

مشترک زبان، نسلیت، تاریخ، مذہب اور معاشرے کا زمینی منظر کلچر کے تشکیلی عناصر ہیں۔‘‘

کسی بھی قوم کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اقدار پر قائم ہو جس کا تعلق عقیدہ، فکر، طرزِ زندگی اور زندگی کے مقصد کے تعین کے ساتھ ہو، اس طرح ثقافت روحانی، نفسیاتی اور معاشرتی اثاثہ قرار پاتی ہے جو تاریخ کا ایک ایسا مرکز و محور ہوتی ہے جس سے کسی بھی قوم کی تاریخ کے مختلف پہلو اور گوشے جنم لے رہے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ثقافت مثبت معاشرتی اقدار کو جنم نہ دے یا وہ اپنی اساس کے لحاظ سے مستقل اور آفاقی اُصولوں سے محروم ہو تو ایسی ثقافت کھوکھلی اور اُدھوری ثقافت قرار پائے گی۔ جو کوئی بھی بڑی تہذیب تشکیل دینے میں ایک فعال کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ثقافت معاشرے میں ایسی بنیادی اقدار کی صحیح اور موثر تعبیر اور ترجمانی کرے جو اقدار معاشرے کے مثبت اور اہم خدوخال کا تعین کریں اور معاشرے کی ترقی اور نشوونما کی حرکت کو منظّم کریں اور اس کے لیے ایک جامع فکر کا تعین کریں۔ کیوں کہ کلچر کسی بھی معاشرے کے اجتماعی طرزِ عمل کا مظہر ہوتا ہے:

Culture can help us understand why humans act in the way they do, and what similarities and differences exist amongst them. The world is divided into distinct communities, and a taxonomy of belonging and exclusion is the vital job that cultural analysis can undertake.(1)

’’کلچر ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ لوگ ایک مخصوص طرزِ عمل کا اظہار کیوں کرتے ہیں اور ان میں کیا مشابہتیں اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دنیا واضح آبادیوں میں تقسیم ہے اور متعلق اور غیر متعلق کی تقسیم کرنا وہ اہم کام ہے جو

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs* in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p. 457.

ثقافتی تجزیہ سے کیا جا سکتا ہے۔"

اگر ثقافت مذکورہ صفات کی حامل بنیادی اقدار سے خالی ہے تو اس کے اثرات معاشرے پر ہوں گے۔ نتیجتاً معاشرہ مختلف قسم کے بحرانوں کا شکار ہو جائے گا اور اس میں کسی بھی قسم کا تحرک پیدا نہیں ہو سکے گا۔ بالآخر مختلف انواع اور مسائل کے معاشرے میں در آنے سے معاشرہ افتراق اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

کسی معاشرے کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قدر موثر ہو کہ اقدار کا دائرہ کار متعین کرے اور انہیں مضبوط بنائے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے میں اقدار ہی وہ معیار ہیں جو معاشرے کو مضبوط بناتی ہیں اور اسے زندہ رکھتی ہیں۔ اقدار ہی معاشرے میں اچھی روایات کو فروغ دیتی ہیں۔ اس طرح معاشرہ مستقبل کی ایک ایسی مثالی تصویر پیش کرتا ہے جس کی بنیاد دیرپا اور آفاقی انسانی اقدار پر مبنی ہوتی ہے۔

اقدار اور ثقافت کا باہمی تعلق اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اپنی اقدار کا بنظر غائر جائزہ لیں۔ وہ اسلامی اقدار جن سے ہماری ثقافت موثر اور فعال رہتی ہے، ہمارے معاشرے کو امتیازی خدوخال فراہم کرتی ہیں۔ معاشرے میں خیر و شر کے مابین فرق و امتیاز کا تعین کرتی ہیں۔ اسلامی اقدار کا مرکز و محور واقعاتی معیارات نہیں یعنی ایسے معیارات نہیں جو کسی رنگ، نسل، عصبیت، دولت یا دنیوی برتری سے متعلق ہوں کیونکہ یہ وہ معیارات ہیں جو انسان کو فکری اور شعوری اعتبار سے اقدار کی طرف لے جاتے ہیں جو دورِ جاہلیت میں رائج تھیں ۔ اس کے نتیجے میں انسان اسلام کے اصلی اور حقیقی منہاج سے دور ہوتا چلا گیا اور مختلف معاشرتی مسائل کا شکار ہوا۔ جبکہ اسلام انسانیت کی فلاح و خیر کی بات کرتا ہے۔ اسلام کے اسی تصور ثقافت سے ایسی اسلامی اقدار جنم لیتی ہیں جو انسانی بھلائی اور عزت و تکریم کی ضامن ہیں۔

دعوت و تبلیغ اسلامی معاشرے کا ایک لازمی خاصا رہا ہے۔ اگر ہم اسلام کے نظام دعوت و تبلیغ کا جائزہ لیں تو یہ محض دین یا مذہب کے مابعد الطبیعاتی عقائد کے ابلاغ

کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اسلامی اقدار معاشرے میں متعارف کروانا ہے۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی مقصد اسلامی اقدار کو معاشرے کے افراد کے قلب و روح میں اس طرح جاں گزیں کرنا ہے کہ وہ تمام رسوم و رواج جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں معاشرے سے ختم کر دی جائیں اور ان اسلامی اقدار کو عام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد ایمان، استقامت اور صبر جیسی صفات حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کریں۔ تاکہ افرادِ معاشرہ ان اقدار کی حقیقی تصویر پیش کریں۔ قرآن حکیم جہاں ہمیں دنیا و آخرت کے حوالے سے کامیاب زندگی کا نقشہ دکھاتا ہے ان میں بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا طے کردہ ایک آفاقی اصول ہے کہ دنیا کی کوئی بھی کامیابی ضبط اور انقیاد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسلامی معاشرے میں ضبط و انقیاد کا اصول عبادات، عقائد اور معاملات میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ یہ ضابطہ جہاں اقدار کی ہیئت اور نوعیت کو متعین کرتا ہے وہاں انسانی معاشرے کی ان مستقل جہات کا تعین بھی کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے کی ہیئت، اس کی شکل و صورت اور خدوخال دنیا کے کسی بھی تہذیبی اور ثقافتی تصادم سے دوچار ہوتے ہوئے مسخ نہیں ہو سکتے۔

۲۔ ثقافت اور تہذیب کا باہمی تعلق

ثقافت اور تہذیب باہم متعلق حقیقتیں ہیں:

> The confusion in the use of the term culture is that which arises when it is closely associated with civilization, so closely associated as to be identified with it. The term when it is used in its most general sense is often made to include both culture and civilization.(1)

(1) Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, American Book, 1931, p. 76.

’’لفظ کلچر کی وضاحت اس وقت مشکل ہو جاتی ہے جب یہ تہذیب کے ساتھ بہت گہرا وابستہ ہوتا ہے گویا کہ اسے تہذیب کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ جب کلچر کی اصطلاح کو عمومی معنی میں استعمال کیا جائے تو اس میں تہذیب اور ثقافت دونوں شامل ہوتی ہیں۔‘‘

جب کہ بعض محققین کے نزدیک تہذیب اور ثقافت دو مختلف حقیقتیں ہیں ان کے نزدیک ثقافت کا تعلق معنوی اُمور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق مادی اُمور سے ہے۔ تاہم صفات کے اس فرق کے باوجود جہاں تک بنیادی نوعیت کا تعلق ہے تہذیب اور ثقافت ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ ثقافت کا تعلق صرف معنوی اور روحانی اُمور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق وسائل اور جدید چیزوں سے ہے، جن سے معاشرے میں ترقی اور آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس طرح اس سے مراد وہ نظامِ حیات ہے جو ایک معاشرہ اپنی معاشرتی ساخت کو مضبوط کرنے اور اس کو ترقی پذیر کرنے کیلئے وضع کرتا ہے۔ اگر لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس سے مراد شہروں اور گاؤں میں سکونت پذیر لوگوں کی مختلف معاشرتی و ملکی سرگرمیاں ہیں۔ چونکہ اسلامی تمدن کے مختلف مادی و معنوی پہلو ہیں جن کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب انسان کی یہی وہ بنیادی سرگرمیاں ہیں جو اس کرۂ ارض پر اس کی بقا کے تسلسل اور حصولِ رزق سے متعلق ہیں۔ یعنی ثقافت انسانی اذہان کی معرفت سے عبارت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی اذہان کی ترقی و معرفت اور ان کے افکار و نظریات کی اسی وقت نشوونما ہوسکتی ہے جب کسی خطہ ارضی پر شہروں کی شکل میں سکونت اور استقامت میسر ہو۔

اس ساری بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ثقافت اور تہذیب باہم لازم و ملزوم ہیں، تہذیب یعنی معاشرہ اور اس کی ثقافت یعنی اقدار، افکار و نظریات اور نظامِ حیات سے عبارت ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خصوصیات جن سے اُمت کو امتیازی حیثیت ملتی ہے وہ تہذیب یا ثقافت کی خصوصیات ہی ہیں۔ ماہرین کے نزدیک

تہذیب کے مفہوم کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان سر انجام دیتا ہے اور ان کا تعلق انسان کے عقلی، مادی، روحانی، دینی اور دنیاوی تمام پہلوؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی تہذیب ایک طویل انسانی تاریخ سے عبارت ہے جو انسان مختلف زمانوں میں تخلیق کرتا رہتا ہے، اس کا تعلق کسی گروہ یا قوم کے ساتھ ہوسکتا ہے یا وہ اس گروہ یا قوم کی میراث ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ قوم دیگر قوموں پر امتیازی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ پس اس معنی و مفہوم کے اعتبار سے تہذیب ثقافت سے زیادہ عموم کی حامل ہے اس کا اطلاق روحانی اور فکری پہلو پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ تہذیب معنوی و مادی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تہذیب و تمدن کا گہوارہ قرار دیئے جانے والے شہروں میں سرگرمیاں نسبتاً زیادہ رہتی ہیں۔ یعنی تہذیب انسانی تقدم و تطور، سائنسی علوم، دینی علوم ادب اور علماء و محققین کی ان کاوشوں کا مظہر ہے جن کو وہ مختلف زمانوں میں سر انجام دیتے رہے ہیں۔ جہاں تک اسلامی تہذیب کا تعلق ہے اس نے بھی اپنے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے مگر یہ تعین صرف ایک مرتبہ وجود میں آیا ہے۔ اس تعین کے بعد قرآنِ حکیم کی روشنی میں اس کے خدوخال متعین کیے گئے ہیں جنہوں نے دورِ جاہلیت کے تمام نظریات کی نفی کردی اور اسلامی معاشرہ کے افکار و نظریات کا منہاج متعین کیا جو ایجابی طریقہ کار کے مطابق مستقبل کی جانب پیش قدمی کرتا ہے اور یہی طریقہ کار ملت کے تشخص کے تحفظ و سلامتی کا ضامن ہے۔

۳۔ اِسلام سے قبل دنیا کی تہذیبی صورتِ حال

بعثتِ محمدی ﷺ سے قبل دنیا میں تصوراتِ تہذیب اور آدابِ معاشرت مکمل طور پر مسخ ہو چکے تھے۔ ہر طرف ظلم وستم، جبر وتشدد اور وحشت و بربریت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ کفر و الحاد اور ظلم و جہالت کی تاریکی نے عالم انسانیت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ عرب کی حالت دنیا کے دوسرے خطوں سے زیادہ دگرگوں تھی۔ جاہلیت اور نفس پرستی کی وجہ سے ان کی اخلاقی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ شراب نوشی، عورتوں کا عریاں

رقص، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا، لاتعداد بیویاں رکھنا اور والد کے مرنے کے بعد دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ اپنی ماؤں کو بھی آپس میں بانٹ لینا اور بیویاں بنا کر رکھنا یا فروخت کر دینا عام تھا۔ بعض قبیلوں کا پیشہ ہی چوری، لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھا۔[۱] جو عورت بیوہ ہو جاتی اسے ایک سال کی عدت گزارنا پڑتی اور اسے نہایت منحوس سمجھا جاتا ایک سال تک اسے غسل اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی تک نہ دیا جاتا اور نہ پہننے کے لئے لباس ہی فراہم کیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

كانت امرأة إذا توفي زوجها دخلت حفشا ولبست شر ثيابها ولم تمس الطيب حتى تمر بها سنة۔[۲]

’’جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہو جاتی، خراب کپڑے پہن لیتی اور خوشبو کو ہاتھ تک نہ لگاتی یہاں تک کہ سال گزر جاتا۔‘‘

بے حیائی اس حد تک عام ہوچکی تھی کہ حج کے موقع پر ہزاروں لوگ جمع ہوتے لیکن قریش کے سوا سب مرد اور عورتیں برہنہ حالت میں طواف کرتے۔ حشرات الارض یعنی چھپکلی، بچھو، چھچھوندر، چوہے اور سانپ تک کھا جاتے، یتیموں کا مال کھانا اور غریبوں کو ستانا عام تھا۔ معاشی زندگی میں سود کا نظام رائج تھا۔ عورتوں اور بچوں تک کو گروی رکھ دیا

---

(۱) حسن إبراهيم حسن، تاريخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الطلاق، باب تحد المتوفى عنها زوجها، ۵: ۲۰۴۲، رقم: ۵۰۲۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد، ۲: ۱۱۲۴، رقم: ۱۴۸۹

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الطلاق، باب ما جاء في عدة المتوفى، ۶: ۲۰۱، رقم: ۳۵۳۳

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الطلاق، باب إحداد المتوفى، ۱: ۷۰۰، رقم: ۲۲۹۹

جا تا۔ لوگ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔

دفن البنت وهي حي۔[۱]

''لوگ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔''

ان تمام نقائص و عیوب کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں جو آج کے مہذب اور ترقی یافتہ دور میں بھی ہمیں نظر نہیں آتیں مثلاً ایفائے عہد حجاز کا عرب نہ کسی کا محکوم تھا اور نہ ہوس ملک گیری رکھتا تھا۔ شروع سے لے کے اس وقت تک کسی غیر نے ان پر حکومت نہیں کی تھی۔ اہل عرب کی مہمان نوازی اپنے اور بیگانوں سب کے لئے عام تھی۔[۲] لیکن ان سب خوبیوں کو ان کی بدکرداری، ظلم و عیاشی نے اپنے ناپاک دامن میں چھپا رکھا تھا کیونکہ بے شمار برائیوں میں چند خوبیاں دب کر رہ جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ ان کے نزدیک اچھائی اور برائی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ ہر کام عادتاً کرتے تھے۔ یہی کیفیت ان کی مذہبی دنیا میں بھی تھی۔ مذہبی ذوق کی تسکین کے لئے انہوں نے بت تراش رکھے تھے مگر پرستش کے باوجود وہ اپنے معبودوں کے تابع نہیں تھے۔[۳] جو من میں آتا کر ڈالتے تھے۔ نسلی تفاخر اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا وہ ہر غیر عرب کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے۔[۴]

الغرض اس وقت پورا عرب ظلم و جہالت اور اندھیر نگری کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جس وقت اسلام دنیا میں آیا، مشرق و مغرب دونوں جہانوں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آج ان ممالک میں بسنے والی قومیں اپنے اپنے ثقافتی ماضی کی عظمت کے بارے میں

---

(۱) ۱۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۰: ۱۷
۲۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۷: ۹۱
(۲) حسن ابراهيم حسن، تاريخ الاسلام، ۱: ۶۵، ۶۶
(۳) حسن إبراهيم حسن، تاريخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶
(۴) حسن إبراهيم حسن، تاريخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

جو کچھ بھی کہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ظہور اسلام سے بہت پہلے ان اقوام کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں اور وہ جمود و اضمحلال کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔

عالمی منظر نامہ

انسانیت، آمریت اور شہنشاہیت کے ظلم کا شکار تھی۔ شرفِ انسانی کی ہر قدر پامال ہو چکی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں پوری دنیا ظلم و جبر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ انسانی حقوق کا ہر تصور حکمرانوں کی انا کی گرد میں گم ہو چکا تھا۔ قبل اَز بعثتِ محمدی ﷺ روم اور ایران اپنے وقت کی عالمی طاقت (super powers) کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے وقت کی یہ سپر پاورز تہذیب نسلِ انسانی کے ارتقاء کی بجائے چھوٹے اور کمزور ممالک پر غلامی کی سیاہ رات مسلط کر کے ایک غیر فطری احساسِ برتری کے لا علاج مرض میں مبتلا تھیں۔ طبقاتی کشمکش تمام تر قباحتوں کے ساتھ ابن آدم کا مقدر بنی ہوئی تھی۔ سماجی برائیوں کا چنگل ذہنِ انسانی تک محیط ہو چکا تھا۔

تاریخ کا سفر جاری رہا اور سیاسی، سماجی، روحانی اور اقتصادی زنجیروں کی گرفت سے بچنے کی ہر سعی ناکام ہونے لگی۔ ایرانیوں اور رومیوں کے حکمران طبقے پُرآسائش زندگی گزار رہے تھے۔ حکمرانوں کے گرد خوشامدیوں کا ٹولہ جمع ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں اہلِ ہنر بھی ان حکمرانوں کی دہلیز پر کھنچے چلے آ رہے تھے۔ یہ اہلِ کمال بھی اپنا کمال ان حکمرانوں کی پر آسائش زندگیوں کو مزید پر آسائش بنانے کے لئے استعمال کرتے۔ شاہی خزانے سے انعام پاتے اور حکمران عوام کے خون پسینے کی کمائی سے اپنے عشرت کدے سجاتے، عوام کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا۔ حکمران اور محکوم طبقوں کے درمیان نفرت کی ایک وسیع خلیج حائل تھی، ظلم کا بازار گرم تھا اور سلطانی جمہور کے کہیں بھی آثار نظر نہ آتے تھے۔

عیسائی دنیا بھی عجیب فکری اور نظری تضادات کا شکار تھی۔ آسمانی ہدایت تحریفات

کی زد میں تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے بہت دور ہو چکے تھے۔ یونانی خرافات سے لے کر رومی بت پرستی تک ہر برائی کو عیسائی دنیا نے اپنے گلے سے لگا رکھا تھا۔ عیسائی مذہب چند بے جان عقائد اور بے کیف مراسم تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ مجبور اور مقہور عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو چکے تھے۔ اخلاق و کردار کی باتیں قصۂ پارینہ بن چکی تھیں۔ ہر چیز پر شیطنت غالب تھی۔

غلامی کے ادارے کو اُمرا نے اپنی ضرورت بنا لیا تھا۔ رومیوں کے اعلیٰ طبقات نے زمینوں پر قبضہ جما کر غلاموں کی کثیر تعداد کو کھیتی باڑی پر لگا رکھا تھا۔ ان غلاموں کی اولاد بھی خون پسینہ ایک کر کے زمین کا رزق بنتی رہتی۔ رومی غلاموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے۔ پہلی صدی عیسوی میں رومیوں کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہوا تو غلاموں کی آبادی میں بھی کمی واقع ہونے لگی جس کے نتیجہ میں محنت کش افراد کی نفری بھی کم ہوگئی بہت سے جاگیردار جزوی طور پر اپنی زمینیں مزارعوں میں تقسیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ رومی معاشرہ وحشت، درندگی اور بربریت کی علامت بن چکا تھا۔ حاکم اور محکوم کے دو طبقے وجود میں آ چکے تھے۔ ایک طبقہ امراء کا تھا جس کا مقصد عوام پر حکومت کرنا تھا اور دوسرا عوام کا محکوم طبقہ تھا جو نسل در نسل حکمران طبقے کی خدمت بجا لا رہا تھا۔

یورپ میں ابھی تک تہذیب وتمدن اور علم و اخلاق کی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی۔ یہ قومیں جہالت و ناخواندگی اور جنگ و جدل میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ظلم و جہالت کی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ مگر بار بار مصائب و حوادث میں گرنے کے باوجود بھی یہ عقل کے ناخن نہیں لے رہی تھیں دوسری طرف یہ قومیں مہذب اور متمدن معاشرہ سے بالکل الگ تھلگ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھیں اور ترقی یافتہ تمام قومیں ان سے تقریباً ناآشنا تھیں۔ مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات سے

تغیرات پیش آ رہے تھے ان سے ان قوموں کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ نہ دینی حوالے سے ان کے پاس کوئی طریق تھا اور نہ سیاسی دنیا میں ان کا کوئی مقام رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

> ’’پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی ...... اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وغیرہ میں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دوردورہ تھا۔‘‘(۱)

براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ میں بسنے والے یہودی دنیا کی دیگر تمام اقوام سے اس لحاظ سے ممتاز تھے کہ ان کے پاس آسمانی دین کا بہت زیادہ علم تھا لیکن یہ یہودی دیگر وجوہات کی بنا پر مذہب و سیاست اور تہذیب وتمدن میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر زیادہ اثر انداز ہوسکیں۔ دولت کی ہوس، غرور، تکبر، ہوس پرستی، نسبی تکبر اور قومی غرور کی وجہ سے ان کے اندر مخصوص ذہنیت پیدا ہوگئی تھی۔ جو انہیں عوامی سطح پر آنے سے روکتی تھی۔ راہِ حق سے لوگوں کو منع کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ تھی قرآن نے ان کی اخلاقی پستی، مسخ شدہ ذہنیت اور اجتماعی فساد کی بڑی احسن انداز میں نقشہ کشی کی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی رقابت چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے، خون بہانے اور مفتوح اقوام کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ اس سفاکی، جبرو تشدد اور وحشت و بربریت کے اس ماحول میں جس کا مظاہرہ یہ دونوں مذاہب وقتاً فوقتاً

(1) Robert Briffault, *The Making of Humanity*, p. 164.

کرتے رہتے تھے ان سے کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں انسانیت کے پاسبان ہوں گے اور حق و انصاف اور عدل و مساوات کی اقدار کی پاسداری کریں گے۔

۴۔ قبل اَز اِسلام معروف تہذیبیں

اِسلام کی آمد سے قبل دنیا میں بے شمار تہذیبیں عروج و زوال سے دوچار ہوئیں، لیکن آج چند ایک کے سوا سب اپنا تشخص کھو چکی ہیں۔ ذیل میں بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل کی چند تہذیبوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) سمیری تہذیب (Sumeric Civilization)

جنوبی عراق میں شمال کی طرف سے ایک نئی قوم کے لوگ آ کر آباد ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ دھات کے استعمال کی ترقی یافتہ صنعت اور کمہار کے چاک کی ایجاد لے کر آئے تھے۔ ۳۰۰۰ قبل مسیح سے کچھ عرصہ قبل جنوبی عراق پر اس اجنبی قوم کا قبضہ ہو گیا جو ایک متمدن قوم تھی اور یوں سمیری تہذیب وجود میں آئی۔(۱)

(۲) مصری تہذیب (Egyptian Civilization)

اہلِ مصر بھی شاندار تہذیبی روایات کے حامل تھے۔ سمیری تہذیب، مصری تہذیب سے قدیم تھی۔ اہلِ مصر ایک ترقی یافتہ قوم تھے۔ ان کا کلچر سمیری کلچر سے مختلف تھا اور انفرادیت کا حامل تھا۔ مصری قوم میں لیبیا، مغربی ایشیا، سامی، سوڈانی اور نوبیائی لوگ بھی شامل تھے اور یوں ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جو ثقافتی اعتبار سے بھی توانا روایات کی حامل تھی۔ حکمران فرعون کہلاتے اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ہوتے۔ عوام سے بیگار لی جاتی اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا۔ عوام حکمرانوں کے

(1) Arnold J, Toynbee, A Study of History, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.27.

لئے عالی شان عمارتیں تعمیر کرنے اور ان کی ہوسِ ملک گیری کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیتے۔[1]

(۳) حِتّی تہذیب (Hittite Civilization)

حِتّی آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے مختلف قبائل کو کہتے تھے۔ یہ لوگ ۳,۰۰۰ قبل مسیح کے وسط تک اپنے اصل وطن بحیرہ کیسپین میں آباد تھے۔ بوجوہ یہ قبائل شام سے ہوتے ہوئے اناطولیہ جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے مقامی لوگوں سے ابتدائی اصول و ضوابط سیکھے اور پھر شاہراہ ترقی پر گامزن ہو کر ۶۰۰,۱ قبل مسیح انہوں نے ایشیائے کوچک میں ایک منظّم اور طاقتور حکومت قائم کی۔ حتی تہذیب سمیری اور مصری تہذیب کے بعد وجود میں آئی اس لئے ان دو بڑی تہذیبوں سے اس نے بھرپور استفادہ کیا۔[2]

(۴) فونیقی تہذیب (Phoenician Civilization)

فونیقی دراصل سامی النسل لوگ تھے۔ ان کے آباؤ اجداد ۸۰۰,۲ قبل مسیح کے قریب خلیج فارس کے علاقے سے ساحل شام کے علاقے میں منتقل ہوئے۔ یہاں انہوں نے شہر آباد کئے جو مختلف دستکاریوں کے مراکز تھے۔ تجارت ان کا واحد ذریعہ معاش تھا۔ یہی تجارت ان کی منفرد تہذیب کی بنیاد بنی۔ انہوں نے لسانی اعتبار سے بھی کمال ترقی کی۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کی تمام آوازوں کو ۲۲ حروف تہجی میں لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسپین کے ساحلوں تک رسائی حاصل کی اور رفتہ رفتہ وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں۔[3]

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.68.
(2) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.29.
(3) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.92.

(۵) یونانی تہذیب (Greek Civilization)

یونان ۱,۶۰۰ قبل مسیح ایک نیم وحشی ملک تھا۔ ۲,۰۰۰ قبل مسیح آریا نسل کے جو لوگ یونان میں آئے تھے وہ تہذیب سے اتنے ہی نابلد تھے جتنے مقامی لوگ۔ آٹھویں صدی کے وسط سے یونانی قوم میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آنے لگے۔ سابقہ چار صدیوں کے دور کے یونانی لوگ مشترکہ تہذیب و تمدن کی بعض مخصوص اور منفرد خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شہری ریاست اگرچہ یونان سے قبل سمیری تہذیب میں معرضِ وجود میں آ چکی تھی لیکن جتنا انہماک اور شوق یونانیوں نے ظاہر کیا اور شہری ریاستوں کے تصور کو اپنی تہذیب کا حصہ بنا لیا اتنا جوش و خروش خود سمیری تہذیب میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ یونانی تہذیب و تمدن کے دو بنیادی رجحان فلسفہ اور سائنس تھے جو بعد میں یورپی اقوام کی مادی ترقی کا باعث بنے۔[1]

(۶) ایرانی تہذیب (Iranian Civilization)

تہذیب و تمدن کے ابتدائی مراکز میں سے جنوب مغربی ایران کا علاقہ خاص اہمیت کا حامل تھا۔ خلیج فارس سے ملا ہوا یہ علاقہ قدیم زمانے میں ''علام'' کے نام سے مشہور تھا۔ آثارِ قدیمہ کی دریافتوں سے یہ چیز ثابت ہو چکی ہے کہ سمیری تہذیب کے ابتدائی زمانے سے علام کے مرکزی شہر سوسا میں ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت ایران ایک طاقتور ملک گردانا جاتا تھا۔ عسکری حوالے سے بھی اور تہذیبی حوالے سے بھی اس لئے ایران کو اس عہد کی سپر پاور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عرب کے مشرق میں ایران ہمیشہ سے اس بات کا مدعی تھا کہ فلسفہ و حکمت نے وہاں نشو و نما پائی اور بعد میں یونان پہنچے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں حکمائے یونان ''مغانِ پارس'' ہی سے ریاضت و مجاہدہ کے آداب سیکھنے جاتے تھے۔ مگر ظہورِ اسلام سے

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.52.

کچھ پہلے جہالت کی جو آندھی دنیا میں چل رہی تھی، ایران بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ فارس کا قدیمی علمی وحکمی سرمایہ سکندر لوٹ کر لے گیا تھا۔ ساسانی عہد میں اس نقصان کی تلافی کی کوشش کی گئی مگر وہ علمی اعتبار سے اتنی غیر اہم تھی کہ تاریخ نے اس کی تفصیل یاد رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ ایران کی سیاسی فتوحات اور ملکی عظمت کی جزئیات تک محفوظ ہیں۔ (۱)

اسلام سے پہلے ایران کی اخلاقی بنیادیں زمانہ دراز سے متزلزل ہو چکی تھیں۔ فکری اور نظری زوال وانحطاط ایرانیوں کی سوچوں پر غالب تھا۔ بہرام نے، جو چھٹی صدی عیسوی میں ایران کا حکمران تھا، اپنی بہن سے ازدواجی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ چناں چہ ابن جریر طبری رقم طراز ہیں:

وكانت لبهرام أخت يقال لها كردية من أتم النساء وأكملهن وكان تزوجها۔ (۲)

''شاہ بہرام کی کردیہ نامی ایک بہن تھی جو تمام عورتوں سے بڑھ کر نہایت خوبصورت اور کامل ترین تھی۔ اس نے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔''

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

وكان مزدك ينهى النّاس عن المخالفة والمباغضة والقتال ولما كان أكثر ذلك إنّما يقع بسبب النساء والأموال، أَحل النساء وأباح الأموال۔ (۳)

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.15, 112.

(۲) طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۴۶۵

(۳) شهرستانی، الملل والنحل، ۱: ۲۴۸

’’مزدک لوگوں کو آپس کے اختلافات غصہ اور جھگڑوں سے منع کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ سب کچھ عورتوں اور مال و زَر کی وجہ سے ہو رہا ہے تو اس نے عورتوں اور مال و زر کو تمام لوگوں کے لئے حلال قرار دے دیا۔‘‘

ابن جریر طبری ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

حتّی کانوا یدخلون علی الرجل في داره فیغلبونه علی منزله ونسائه وأمواله لا یستطیع لامتناع منهم۔(۱)

’’یہاں تک کہ وہ کسی بھی آدمی کے گھر میں گھس جاتے تھے اور مال و زن پر قبضہ کرلیتے اور صاحبِ مکان ان کے خلاف کچھ بھی نہ کرسکتا۔‘‘

عیاش اور بد مست لوگوں نے مزدک کی تحریک کو ابھارا۔ اس تحریک کو سرکاری سر پرستی بھی حاصل تھی۔

(۷) ہندی تہذیب (Indian Civilization)

ہندوستان بھی عالمی منظر نامے میں ثقافتی اور تہذیبی سطح پر زوال کا شکار تھا۔ ہندوستان میں ہندومت نے بدھ مت کو اپنے اندر ضم کرلیا اور اپنی جنم بھومی سے بدھ مت کا نام ونشان مٹ گیا۔ بدھ مت پر ہندو مت اس حد تک غالب آ چکا تھا کہ بدھ کے ملک کی صورتحال بھی چنداں قابل رشک نہ تھی۔ مغل، ترک اور جاپانی مشرق اور وسط ایشیاء میں آباد تھے۔ یہ اقوام اپنے عبوری دور میں سے گزر رہی تھیں۔ ان کے پاس نہ کوئی سیاسی نظام تھا اور نہ کوئی علمی روایت۔ یہ لوگ بت پرستی کی طرف مائل تھے۔ ہندوستان اس وقت اگرچہ ایک سیاسی وحدت نہیں تھا بلکہ ان گنت سیاسی اکائیوں میں منقسم تھا۔ تاہم ہندومت اپنا ایک ثقافتی پس منظر رکھتا تھا۔ اسی ثقافتی توانائی کی بدولت اس نے بدھ مت اور جین مت کو اپنے اندر ضم کر لیا۔ ہندوستان ذات پات کی حد بندیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ غیر

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوك ۱: ۴۱۹

انسانی بنیادوں پر انسانوں کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا۔ برہمن کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے ہر ناجائز فعل کو جائز قرار دے دیا گیا تھا اور برہمنی سامراج کی گرفت سماج پر اتنی مضبوط تھی کہ برہمنوں کی مرضی کے بغیر حکمران بھی کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ جنسی خواہشات اور شہوانی جذبات کو ابھارنے والے عناصر جس قدر ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن میں تھے کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے تھے۔ منوشاستر کے مطابق کتے، بلی، مینڈک، کوے، الو اور شودر کو مارنے کا کفارہ قرار دیا گیا۔ برہمنی سامراج میں عورت انتہائی کسمپرسی کے دن بسر کر رہی تھی۔ مرنے والے شوہر کے ساتھ اسے بھی جل مرنا ہوتا یا ساری عمر بیوگی کی زندگی بسر کرتی اور اسے سماج کے طعنوں کا ہدف بننا پڑتا۔ سرزمین ہند غیر انسانی روایات کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ جہالت اور توہم پرستی نے ذہن انسانی کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔(1)

ہندوستان کا علمی و ثقافتی ماضی کتنا ہی تابناک کیوں نہ رہا ہو، مگر ظہورِ اسلام کے زمانے میں جب بدھ مت کے مقابلے میں ''برہمنیت'' کو عروج ہوا تو موخر الذکر کے تعصب و تنگ نظری نے اپنے حریفوں کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ان کی علمی سرگرمیوں کو بھی مٹا ڈالا۔ چنانچہ اگر ان کے علمی و حکمی کارنامے کچھ محفوظ ہیں تو صرف غیر ملکی مثلاً چینی، تبّتی یا عرب مصنفین کے یہاں ملتے ہیں۔ شروع میں ان کی طب اور ہیئت کی طرف مسلمانوں نے توجہ کی مگر جلد ہی انہیں اس کی محدودیت کا اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ البیرونی نے - جو ہندوؤں کے قدیم علوم کو زندہ رکھنے کے لیے مشہور ہے - ایک مستقل کتاب بہ عنوان 'إن رأی العرب فی مراتب العدد أصوب من رأی الهند فیها (اس باب میں کہ مراتب اعداد کے بارے میں ہندوؤں کے مقابلے میں عربوں کی رائے زیادہ صحیح ہے)' لکھی اور یہ ثابت کیا کہ علم الحساب - جو ہندوؤں کا عظیم کارنامہ ہے - میں بھی عرب فائق ہیں۔

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.389, 425.

(۸) رُومی تہذیب (Roman Civilization)

رومی سلطنت اپنے زمانے کی دوسری سپر پاور تھی۔ یہ اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی جو بحیرہ روم کے چاروں طرف تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ رومی ایک جاندار اور شاندار تہذیب کے وارث تھے۔ صنعت و حرفت میں بھی رومی اپنی مثال آپ تھے اور صحیح معنوں میں ایک سپر پاور تھے۔ رومی تہذیب یونانی کلچر سے متاثر تھی۔ رومیوں نے مقامی تہذیبوں کے ملاپ سے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی مگر اخلاقی اور قومی سطح پر رومی تہذیب بتدریج زوال کا شکار تھی۔ گو جزیرہ نمائے عرب کو رومی کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کے بعد جب ریاست مدینہ کی داغ بیل پڑی اور اسے داخلی اور خارجی استحکام کے بعد جب اس کا سامنا رومی تہذیب سے ہوا تو انجام کار اسلام کو اس پر غلبہ نصیب ہوا۔(۱)

(۹) بازنطینی ثقافت (Byzantinian Civilization)

ظہورِ اسلام کے وقت بازنطینی تہذیب ارتقائے نسلِ انسانی کے مختلف نشیب و فراز طے کرنے کے بعد شعوری اور لاشعوری سطح پر اپنے زمینی حوالوں کو مضبوط بنا رہی تھی۔ عسکری، تجارتی اور علمی رابطوں اور واسطوں کو مستحکم بنایا جارہا تھا۔ لیکن اسلام جن عظیم ثقافتی اقدار کا امین تھا اس کی کوئی نظیر اس تہذیب میں نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بازنطینی تہذیب بھی مسلم ثقافت کی فکری توانائی کا مقابلہ نہ کرسکی اگرچہ یورپ کے مقابلے میں ہر لحاظ سے یہ ایک زندہ تہذیب تھی۔ مگر یورپ اس وقت جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا البتہ بازنطینی ادب اور فنون لطیفہ کے اثرات مغرب نے بہت کم قبول کئے۔ کیونکہ وہ لاشعوری طور پر مسلم تہذیب و تمدن سے متاثر تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ افلاطون اور ارسطو تک مغرب کی رسائی ان تراجم کے ذریعے ہوئی تھی جو عربی زبان میں ترجمہ کرکے مسلم اسپین

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.118.

کی درسگاہوں میں لائے گئے تھے اور یہ تراجم براہ راست نصرانی دانشوروں کے زیرِ مطالعہ رہے۔ آئندہ صدیوں میں جو جغرافیائی اور تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی بنیاد عہدِ رسالت مآب ﷺ میں رکھ دی گئی تھی اور دعوتِ حق کا کام علمی سطح پر منظّم کرنے کے لئے عملی اقدامات حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارکہ ہی میں کر لئے گئے تھے جو آگے چل کر بہتر نتائج کی صورت میں برآمد ہوئے۔ (۱)

۵۔ یورپ کی عمومی صورت حال

یورپ کے مشرقی حصے میں جو شام و مصر سے ملحق تھا، بازنطینی حکومت قائم تھی جس نے یونانی تہذیب و مدنیت کو ورثے میں پایا تھا، مگر رومن جباریت نے جلد ان کی علمی وثقافتی روایات کوفراموش کر دیا۔ چنانچہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

ولما انقرض أمر اليونان وصار الأمر للقياصرة وأخذوا بدين النصرانية هجروا تلک العلوم ...... وبقيت فی صحفها ودواوينها مخلّدة باقية فی خزائنهم. (۲)

’’اور جب یونانیوں کا دورختم ہوگیا، قیصرانِ روم کے اقتدار کا دور آیا اور انہوں نے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تو پھر ان علوم کو بالکل ہی چھوڑ دیا ...... اور یہ علوم کتابوں اور رسالوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کتب خانوں کے اندر پڑے رہے۔‘‘

دراصل اس علاقے کی علمی وفکری سرگرمیوں میں بہت پہلے سے جمود و اضمحلال

(1) Dimitri Gutas, *Greek Thought-Arabic Culture*, The Graeco-Arabic translation movement in Baghdad and early Abbasid society, Routledge, London, 1999, p.185-188.

(۲) ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۶۲۹

کا گھن لگ چکا تھا۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۶۹ء میں ہوئی اور اس کے چالیس سال قبل ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ - جو یونانی فلسفہ وحکمت کے شکستہ آثار میں سے تھا - بند کیا جا چکا تھا۔ اس کی وجہ مسیحی تعصب و تنگ نظری سمجھی جاتی ہے۔ مگر اصل وجہ یہ ہے کہ یونانی تہذیب مضمحل ہو چکی تھی اور اس میں بدلے ہوئے زمانہ کی ثقافتی قیادت کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔

یونانی ثقافت حکمائے یونان کی ہزار سالہ فکری مساعی کا نام ہے۔ اس کی ابتداء ثالیس الملطی سے ہوتی ہے جس کا زمانہ ۶۲۴ سے ۵۴۸ قبل مسیح ہے۔ جبکہ ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ قیصر جسٹینین کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ اس طویل مدت میں یونانی عبقریت نے متعدد حکماء و فلاسفہ پیدا کیے جنہوں نے منطق و فلسفہ، ریاضی و ہیئت اور طب کے علوم کو سائنٹیفک بنیادوں میں مدون کیا۔

ارسطو سکندرِ اعظم کا ہم عصر تھا اور اس نے موخر الذکر کے سال بھر بعد انتقال کیا۔ اُدھر سکندر کے مرنے پر اس کی وسیع سلطنت اس کے جنرلوں میں تقسیم ہوگئی۔ مصر بطلیموسی خاندان کے حصے میں آیا اور وہ اپنے ہمراہ یونانی علم و حکمت کو بھی اس ملک میں لے گئے چنانچہ ان کے عہد حکومت میں اسکندریہ جو اس زمانہ میں مصر کا پایہ تخت تھا، یونانی ثقافت اور یونانی علوم کا گہوارہ بن گیا۔ اس خاندان کی آخری تاجدار کلیوپطرا تھی جس پر ۳۰ قبل مسیح میں قیصر آگسٹس نے حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد مسیحیت کا ظہور ہوا جو اپنی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے سلطنتِ روما کے لیے خطرہ سمجھی جانے لگی۔ بنا بریں عیسائیوں پر ظلم و ستم کا آغاز ہوا اس ظلم و ستم کے دوران میں فلاسفہ نے بھی عیسائی مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا اور پہلے رواقیوں نے اور بعد میں نوفلاطونی فلاسفہ نے عیسائیت کے خلاف اعتراضات کا انبار لگا دیا۔ مگر فلاسفہ عہد کی فکری سرگرمیاں اس تنگ نظری تک محدود نہ رہیں۔ یونانی عبقریت کے جمود و اضمحلال نے اس تنگ نظری کے ساتھ تو ہم پرستی

کو بھی اپنا شعار بنا لیا اور ترقی پسندی کے بجائے رجعت پسندی ان کا طرۂ امتیاز بن گئی۔ چنانچہ یہ حکماء محض قومی مذہب کی عصبیت اور مسیحیت بیزاری کی بناء پر پھر شرک وکثرت پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔

ایک عرصہ تک مسیحی لوگ رومن امپائر میں معتوب رہے مگر ۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم تخت نشین ہوا تو اس نے کچھ دن بعد عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ اس طرح مسیحیت رومن امپائر کا سرکاری مذہب بن گئی لیکن سیاسی اقتدار ملتے ہی یہ مظلوم اور ستم رسیدہ مسیحیت اپنے آزار رسانوں سے کہیں زیادہ ظالم اور ستم شعار ثابت ہوئی۔ رومن امپائر کی اگلی دو سو سال کی تاریخ مذہبی تشدد، تنگ نظری اور فرقہ وارانہ کشمکش کی مسلسل داستان ہے۔

چنانچہ قیصر ثاؤ دوسیوس (Theodocius زمانہ ۳۷۹۔۳۹۵ء) کے تخت نشین ہونے پر رومی مملکت کے تمام باشندوں کو جبراً عیسائی بنانے کی کاروائی پر سختی سے عمل کیا گیا۔ پادریوں نے بلا اِستثناء کے تمام مندروں کو برباد کرنا شروع کیا۔ مگر سرافیس کے مندر کے معاملے میں بلوہ ہو گیا۔ بڑی خوں ریزی کے بعد عیسائیوں نے اسے منہدم کر کے گرجا بنا لیا۔ اس مذہبی جنون کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ سرافیون کی لائبریری، جو بطلیموس فیلاڈلفیوس کی لائبریری (مشہور کتب خانہ اسکندریہ) کے جل جانے پر قائم ہوئی تھی، ۳۹۱ء میں اس تعصب و تنگ نظری کا شکار ہو گئی۔

ثاؤ دوسیوس کے آخر عہد میں سائرل (Cyril) مصر کا اسقف اعظم بنا۔ اس نے فلسفے کے مدارس کو بھی اپنے تعصب و تنگ نظری کا شکار بنایا، کیونکہ اس کے خیال میں یہی مدارس فلسفہ، جاہلیت و وثنیت کے مراکز تھے۔ اس کے ایماء سے فلاسفہ پر حملہ ہوا۔ اس تعصب و تنگ نظری کا تاریک ترین پہلو عقیل وفہیم ہائی پیشیہ (Hypatia) کا دردناک قتل تھا جو اسکندریہ کی نوفلاطونی جماعت کی صدر تھی۔ تاریخ فکر انسانی کا یہ گھناؤنا سانحہ ۴۱۵ء میں پیش آیا۔

پادریوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ انہوں نے علم وحکمت کی ترقی کو بھی قانوناً

بند کر دیا۔ اس سلسلے میں ان کی تنگ نظری کا شدید ترین حملہ منطق پر ہوا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے فارابی سے نقل کیا ہے:

جاءت النصرانية فبطل التعليم من رومية وبقي بالإسكندرية إلى أن نظر ملك النصرانية في ذلك واجتمعت الأساقفة وتشاوروا فيما يترك من هذا التعليم وما يبطل فرأوا أن يعلم من كتب المنطق إلٰى آخر الأشكال الوجودية، ولا يعلم ما بعده لأنّهم رأوا أن في ذلك ضرراً علَى النصرانية وأن فيما أطلقوا تعليمه ما يستعان به على نصرة دينهم. فبقي الظاهر من التعليم هذا المقدار وما ينظر فيه من الباقي مستوراً إلى أن كان الإسلام بعده بمدة طويلة ...... وكان الّذي يتعلم في ذلك الوقت إلى آخر الأشكال الوجودية۔[1]

’’مسیحیت کا زمانہ آیا اور شہر روم میں فلسفہ کی تعلیم ختم کر دی گئی، صرف اسکندریہ میں باقی رہی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کے بادشاہ نے اس مسئلہ پر غور کیا اور پادری لوگوں نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ اس میں سے کتنی تعلیم باقی رہنے دی جائے اور کتنی ختم کر دی جائے تو ان کی یہ رائے ہوئی کہ منطق کی آٹھ کتابوں میں سے ’’اشکالِ وجودیہ‘‘ کے آخر تک پڑھایا جائے اور اس کے بعد کی پانچ کتابیں نہ پڑھائی جائیں کیونکہ ان کی رائے میں اس سے عیسائی مذہب کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جس حصے کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت دی تھی، اس سے لوگ اپنے مذہب کی تائید میں مدد لے سکتے تھے۔ پس تعلیم کی اتنی ہی مقدار کا رواج رہا اور باقی حصہ مستور رہا، یہاں تک کہ عرصۂ دراز کے بعد

(۱) ابن ابی أُصیبعة، عيون الأنباء في طبقات الأطباء، ۱: ۲۰۴۔ ۲۰۵

اسلام مبعوث ہوا ...... اور اس زمانہ میں جو پڑھایا جاتا تھا وہ اشکال وجود یہ کے آخر تک تھا۔‘‘

بہرحال مشرقی یورپ میں جہاں بازنطینی حکومت قائم تھی، ایتھنز کے مدرسہ کی قفل بندی کے بعد کوئی برائے نام عالم پیدا نہیں ہوا۔ مشرق کے مسیحی شہنشاہوں نے فلسفہ کا مدرسہ جاری کرنے کی کئی بار کوشش کی تاکہ نیا دار السلطنت ایتھنز اور اسکندریہ کا حریف بن جائے۔ ۶۱۸ء میں شہنشاہ ہرقل نے اسکندریہ کے ایک استاد کو قسطنطنیہ بلایا تاکہ اس کی تعلیم سے بازنطینی ذہانت و فطانت اپنے جمود سے بیدار ہو جائے، مگر یہ سعی، سعیِ لاحاصل ہی ثابت ہوئی۔ متوقع بیداری کو ظہور میں آنے کے لیے ابھی کئی نسلیں درکار تھیں۔ غرض اس عہد تاریک کا یورپ جہالت و پسماندگی کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے:

’’یورپ کے ان قدیم باشندوں کے بارے میں مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بربریت و وحشت کی منزل سے آگے ترقی کر چکے تھے۔ ان کے بدن ناپاک تھے، دماغ توہمات سے بھرے ہوئے تھے، یہ لوگ مزاروں کی کرامات اور جھوٹے ادعائی تبرکات کے متعلق ہر قسم کے بے سروپا افسانوں پر اعتقاد کامل رکھتے تھے۔‘‘(۱)

۶۔ جزیرۂ عرب کی صورتِ حال

خود جزیرہ نمائے عرب جہاں آفتاب ہدایت کی پہلی کرن چمکی اس منزل سے گزر رہا تھا جو تاریخ میں ’’عہدِ جاہلیت‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔ علم جو تہذیب کی اساس ہے، ان کے یہاں مفقود تھا۔ اس کے برعکس جہل اور اکھڑ پن ان کا سرمایا فخر و مباہات تھا۔ اسی اکھڑ پن اور جہالت پر فخر کرتے ہوئے ایک جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 42.

ألا لا يجهلن أحد علينا
فنجهل فوق جهل الجاهلينا(۱)

(خبردار! ہم سے کوئی اکھڑ پن (جہالت) نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو ہم جاہلوں سے بھی زیادہ جہالت دکھا سکتے ہیں۔)

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ایک مستقل فصل اس بارے میں قائم کی ہے کہ عربوں کی طبعی و نسلی خصوصیات ہی علوم وحکمت کے لیے سازگار نہیں تھیں۔ اس فصل کا عنوان اپنے مضمون کا آئینہ دار ہے:

فصل في أن العرب بعد الناس عن الصنائع والسبب في ذلك أنهم أعرق في البدو وأبعد عن العمران الحضرى وما يدعو إليه من الصنائع۔(۲)

''فصل اس بات میں کہ عرب نوع انسان میں علم و ہنر سے سب سے زیادہ بے بہرہ ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ سب جنگلی پن میں راسخ ہیں اور شہری تمدن اور اس کے لوازم سے سب سے زیادہ دور ہیں۔''

خطہ عرب کے ہمسایہ ممالک خواہ مشرقی سرحد پر بسنے والے ہوں یا مغربی سرحد پر انہیں بڑی نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اہلِ ایران تو انہیں قابلِ التفات ہی نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ فردوسی - جو اپنی ایران پرستی اور عرب دشمنی کے لیے مشہور ہے- عربوں کی فتح ایران سے مشتعل ہو کر ''شاہ نامہ'' میں کہتا ہے:

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۵۳
۲۔ ابن جوزی، زاد المسیر، ۱: ۳۶
۳۔ آلوسی، روح المعانی، ۴: ۲۳۸
(۲) ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۵۰۶

ز شیر شتر خوردن وسوسمار
عرب را به جائي رسيده است کار
كه تاج كيانی کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو(۱)

گو یہ فردوسی کا مغالطہ تھا کہ اس نے اس عرب کو جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جنگ قادسیہ میں مصروف جہاد تھا، اسی عرب کے طرح سمجھتا تھا جو کبھی کسریٰ کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا۔ اسی طرح عربوں کے مغربی پڑوسی انہیں ’’سراسین‘‘ یعنی خانہ بدوش کے حقارت آمیز لقب سے یاد کرتے تھے مگر یہ اسلام کی برکت تھی کہ جس نے اسی ’’سراسین‘‘ قوم کے ملک کو کچھ ہی دنوں میں علم و حکمت کی روشنی کا مطلع انوار بنا دیا۔

الغرض جزیرہ نمائے عرب میں بھی ظلم، بربریت اور درندگی کا راج تھا۔ تاریخ کا سفر جاری تھا، کرہ ارضی پر وسیع و عریض خطے سیاسی اور جغرافیائی اکائیوں میں تقسیم ہو چکے اور ان کی تقسیم در تقسیم کا عمل جاری تھا۔ یہ اکائیاں سیاسی، معاشی اور ثقافتی بالادستی کے لئے باہم دست و گریباں تھیں۔

۷۔ اِسلامی تہذیب و تمدن

حضور نبی اکرم ﷺ اسلام نے اس دنیائے آب و گل کو ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب عطا کی۔ دنیا کا گھسا پٹا نظام یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اس میں نظم و نسق قائم کیا۔ دستور زندگی کی بنیاد رکھی۔ انسانوں کے اندر ایک ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت و محبت، اخوت و تعاون اور اتحاد و اتفاق کے اوصاف کو نشوونما بخشی، شورائی نظام پر نظام مملکت استوار کیا۔ دین میں جبر و اکراہ کا خاتمہ کر دیا۔ لَکُمْ

(۱) فردوسی، شاه نامه، ۷: ۲۲۳۸

دِيۡنُكُمۡ وَلِيَ دِيۡنِ [(۱)] ((سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے) کہہ کر واضح کر دیا کہ قصرِ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ہر شخص کو آزادی حاصل ہے۔ محض کافر ہونے کی وجہ سے وہ باعثِ نفرت نہیں ہو سکتا بلکہ اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ الغرض اسلام رواداری، تحمل اور بردباری کا حامل ہے اور یہ ایسی دنیا بسانا چاہتا ہے جو ظلم و ستم، بغض و کینہ اور حسد و تنگ نظری کے جذبات سے پاک ہو اور نوع بشر کے لئے امن و سلامتی اور پیار و محبت کا گہوارہ ہو۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ہر عظمت اور ہر رفعت نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ کے پیرہن میں سج دھج کر تہذیبِ انسانی کی آبرو قرار پاتی دکھائی دیتی ہے۔

اسلام کا یہ آفتاب جہاں آراء اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشنیاں بکھیرتا ہوا نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی نورانی شعاعوں سے پوری دنیا کو منور کرنے لگا۔ اسلام کے لائے ہوئے روحانی و اَخلاقی اِنقلاب کے نتیجہ میں عربوں کی صدیوں کی مجتمع قوت نے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صرف چند سال کے اندر اندر عربوں کو مغربی ایشیاء کا مالک و مختار بنا دیا۔ عرب کے اجڈ اور شریدہ سر لوگوں کے دل اور احوال بدل گئے، فکر و نظر میں انقلابی تبدیلی آ گئی۔ الغرض غصب و قزاقی کے خوگر عرب نظام اسلام کی آمد کے ساتھ ہی نہ صرف انسان بلکہ ایسے نمونۂ انسانیت بن گئے کہ ساری کائنات کے ہادی و راہنما دکھائی دینے لگے۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی ظلمت و جہالت کے مقابلے میں اس عہد کی اسلامی دنیا کی علمی و ثقافتی عظمت و رفعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈریپر لکھتا ہے:

”(اس کے مقابلے میں اندلس کی اسلامی تہذیب کس قدر خوش آئند معلوم ہوتی ہے) جب کہ ہم یورپ کے جنوب مغربی گوشہ اسپین پر نظر ڈالتے ہیں، جہاں بالکل ہی مختلف حالات کے تحت علم و حکمت کے انوارِ تاباں کی روشنی پھوٹ رہی

(۱) الکافرون، ۱۰۹:۶

تھی۔ مغرب میں ہلال (اسلامی تہذیب) بدر کامل بن کر مشرق (وسطی یورپ) کی طرف جانے والا تھا۔‘‘(۱)

دوسرے مقام پر یہ مصنف اندلس (اسپین) کے مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’جونہی عربوں کو اسپین میں مضبوطی سے قدم جمانے کا موقع ملا، انہوں نے ایک روشن دور کا آغاز کیا ...... قرطبہ کے امیروں نے خود کو علم و ادب کا سرپرست بنا کر ممتاز کر لیا اور ذوق سلیم کی ایک ایسی مثال قائم کر دی جو یورپ کے دیسی حکمرانوں کی حالت کے بالکل برعکس تھی۔‘‘(۲)

اس کے بعد مسلمانوں کے علمی کارناموں کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے:

’’انہوں نے بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں قائم کیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستر سے زیادہ لائبریریاں اس زمانے میں موجود تھیں۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک عوامی مکتب ہوتا تھا، جہاں غریبوں کے بچوں کو نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ صاحب استطاعت لوگوں کے لیے علمی مجامع (اعلیٰ مدارس) تھے، جہاں ایک بڑا عالم صدر ہوتا تھا۔ قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں تھیں۔ ان یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسر ...... ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے ...... ان کے علاوہ مخصوص فنون کے واسطے خصوصی مدارس تھے، بالخصوص طب کے لیے۔‘‘(۳)

---

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 42.

(2) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 30.

(3) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 34.

آرنلڈ (Arnold) مسلم دنیا کے مرکز علم ہونے کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عربوں (مسلمانوں) نے اس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم اور علم و حکمت کے مطالعہ کو زندہ رکھا۔ جبکہ مسیحی مغرب (یورپ) بربریت و جہالت کے ساتھ جان توڑ لڑائی لڑ رہا تھا۔ ان کی علمی سرگرمیوں کا عہد نویں دسویں صدی میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی یہ سرگرمیاں پندرھویں صدی تک جاری رہیں۔ بارھویں صدی کے بعد ہر وہ شخص جسے علم و حکمت کا ذرا سا بھی شوق ہوتا یا حصول علم کی تھوڑی سی بھی خواہش ہوتی تو وہ یا مشرق (بغداد) کا سفر کرتا یا اسپین کا۔''(1)

آج اہل مشرق یورپی و مغربی جامعات میں جا کر حصول تعلیم کو فضل و کمال کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ یورپی فضلا عالم اسلام کے علمی سفر کو تمغائے فضل و کمال اور سرمایہ فخر و مباہات سمجھتے تھے، چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے کہ تحصیلِ علم کے لیے اسپین کا سفر شائقین علم و حکمت نے دسویں صدی مسیح ہی سے شروع کر دیا تھا:

''دسویں صدی مسیح ہی سے جن لوگوں کو حصول علم کا شوق ہوتا، یا تہذیب و ثقافت کا ذوق رکھتے، وہ ہمسایہ ممالک سے اسپین پہنچتے اور بعد کے زمانے میں تو اس رسم پر لوگوں کا عمل بہت زیادہ بڑھ گیا، بالخصوص جبکہ گربرٹ نے اپنی غیر معمولی ترقی سے ایک شاندار مثال قائم کر دی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، وہ قرطبہ کی اسلامی یورنیورسٹی ہی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پوپ کے عہدہ پر فائز ہوا۔''(2)

مگر قرون وسطیٰ کے یورپی فضلا میں گربرٹ (جو آگے چل کر سلوسٹر دوم کے نام سے پاپائے روم بنا) ہی اکیلا شخص نہیں ہے، جس نے اسلامی اسپین کی یونیورسٹیوں میں

(1) Arnold, *Legacy of Islam*, p. 377.

(2) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 36.

تعلیم پائی ہو۔ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں اس زمانے میں یورپی فضلا سے بھری رہتی تھیں اور یہیں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے رہنما بنتے تھے۔ ڈریپر لکھتا ہے:

’’اسپین کی یونیورسٹیاں خطہ یورپ کے علمائے دینیات سے بھری رہتی تھیں۔ پیٹر دی ویز یبل جو ابیلارڈ کا دوست اور مربی تھا، جس نے قرطبہ میں کافی وقت گزارا تھا اور جو نہ صرف روانی سے عربی بول سکتا تھا، بلکہ جس نے قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اسپین پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یورپ حتی کہ انگلستان کے بہت سے تعلیم یافتہ اَشخاص وہاں ہیئت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔‘‘(۱)

اسلام کی تہذیبی روایات نے مغرب کو بھی دقیانوسیت اور تہذیبی فرسودگی سے نکلنے اور تہذیبی ترقی کی سمت عطا کی:

On Western Christendom the effect of this impact was wholly good, and Western culture in the Middle Ages owed much to Muslim Iberia. On Byzantine Christendom the impact was excessive and evoked a crushing re-erection of the Roman Empire under Leo the Syrian. The case of Abyssinia, a Christian 'fossil' in a fastness encircled by the Muslim World, is also noticed.(2)

’’مغرب کی عیسائی دنیا پر اسلام کے اثرات مکمل طور پر مثبت تھے اور قرونِ وسطیٰ کے دوران مغرب کا کلچر مسلمانوں ہی کا مرہون منت تھا۔ بازنطینی عیسائی

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 37.

(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 574.

دنیا پر بھی اسلام کا اثر بہت زیادہ تھا اور اس کے زیرِ اثر ہی شامی لیو کے تحت رومی سلطنت کا ردعمل پیدا ہوا۔ حبشہ بھی جو دنیائے عیسائیت کا ایک متحجر حصہ تھا، قابلِ غور حد تک مسلم دنیا کے اثرات کے ماتحت تھا۔‘‘

اِسلام مغرب کے لئے ان اعلیٰ اقدار کی تکمیل کا پیغام لے کر آیا جن کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور مغرب انہیں فراموش کر چکا تھا۔ ایک مغربی مفکر اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

In the creative soul of Muhammad the radiation of Judaism and Christianity was transmuted into a spiritual force which discharged itself in the new 'higher religion' of Islam.[1]

’’یہودیت اور عیسائیت کی روشنی محمد ﷺ کی خلاق روح میں یوں جمع ہوگئی کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئی، جو ایک بلندتر مذہب یعنی اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔‘‘

انسانی تہذیب کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ یونان کا ہیلینیائی طرزِ فکر تھا۔ اسلام نے انسانیت کو اس سے چھٹکارا عطا کیا:

The Syriac Society had to wait for the emergence of Islam in order to lay its hand upon a religion which was capable of serving as an effective instrument for casting Hellenism out...[2]

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 411.

(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 391.

’’شام کے معاشرے کو اسلام کے طلوع کا انتظار کرنا تھا کہ وہ ایک ایسے مذہب کی دستگیری حاصل کر سکے جو اس قابل تھا کہ اس کے موثر ذریعے سے یہ معاشرہ ہیلینیائی اثرات سے باہر نکل سکے۔‘‘

ٹوائن بی مزید لکھتا ہے:

The Arab onslaught upon the infant civilization of the West was an incident in the final Syriac reaction against the long Hellenic intrusion upon the Syriac domain; for when the Arabs took up the task in the strength of Islam they did not rest until they had recovered for the Syriac Society the whole of its former domain at its widest extension.(1)

’’مغرب کی ابتدائی مرحلوں سے گزرنے والی تہذیب پر عربوں کی یلغار ایک ایسا واقعہ تھی جو شام کے علاقے پر ہیلینیائی مداخلت کے خلاف شام کے آخری ردِعمل کا حصہ تھی۔ کیونکہ جب عربوں نے اسلام کی طاقت کے ساتھ اس کام کو شروع کیا تو وہ اس وقت تک نہیں رکے، جب تک انہوں نے شامی معاشرے میں کاملاً اور وسیع بنیادوں پر اپنی روایات کو قائم نہیں کر دیا۔‘‘

اور پھر اسلام کے یہ اثرات پورے یورپ تک پھیلتے چلے گئے:

The Emperor Heraclius himself was condemned not to taste of death until he had seen 'Umar the Successor of Muhammad the Prophet coming into his kingdom to undo, utterly and for ever, the work of all the Hellenizers of Syriac domains from Alexander onwards. For Islam succeeded where its predecessors

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 124.

had failed. It completed the eviction of Hellenism from the Syriac World.(1)

’’شہنشاہ ہرکولیس اس وقت تک موت سے دو چار نہیں ہوا جب تک اس نے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے جانشین عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں دیکھ لیا۔ جس نے ہمیشہ کے لیے اس کی سلطنت کو تہ و بالا کر دیا اور شام کے علاقوں میں دورِ سکندر سے شروع ہونیوالے ہیلینیائی اثرات کا قلع قمع کر دیا۔ کیونکہ اسلام ہی اس معاملے میں کامیاب رہا جس میں اس کے پیش رو ناکام رہے، اس نے شامی دنیا سے ہیلینیائی اثرات کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔‘‘

اسلامی تہذیب کے اثرات کے مغرب پہنچنے میں اسپین کا کردار بھی کلیدی ہے:

The scholars of Muslim Spain contributed unintentionally to the philosophical edifice erected by the medieval Western Christian schoolmen, and some of the works of the Hellenic philosopher Aristotle first reached the Western Christian World through Arabic translations. It is also true that many 'Oriental' influences on Western culture which have been attributed to infiltration through the Crusaders' principalities in Syria really came from Muslim Iberia.(2)

’’مسلم اسپین کے اہل علم نے غیر ارادی طور پر اس فلسفیانہ روایت میں اضافہ کیا جو قرون وسطیٰ کے مغربی عیسائی اہل دانش نے قائم کی تھی اور معروف ہیلینیائی

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 144.

(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 160-1.

فلاسفر ارسطو کی اکثر تصنیفات سب سے پہلے مغربی عیسائی دنیا میں عربی تراجم کے ذریعے ہی پہنچیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے مشرقی اثرات جو مغربی کلچر پر ہیں وہ صلیبی جنگ لڑنے والوں کے ذریعے وہاں منتقل ہوئے یہ اثرات بڑی حد تک شامی تھے اور فی الاصل مسلم آئبیریا سے آئے تھے۔‘‘

اسلام کے دیئے ہوئے شعور کے تحت مسلمانوں نے روزِ اول سے ہی اپنی قومی زندگی کے استحکام کی بنیاد علمی اور فکری ترقی پر رکھی۔ یہی سبب تھا کہ معاصر اقوام مسلمانوں کی اس روایت کی تقلید پر مجبور تھیں:

۸۔ اِسلامی تہذیب کے نمایاں اَوصاف

اسلام کے ظہور کے وقت عالمی منظر نامے کو گھٹا ٹوپ اندھیروں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تہذیبی اور ثقافتی انحطاط ابنِ آدم کا مقدر بن چکا تھا۔ مجلسی زندگی شائستگی اور سنجیدگی کے اوصاف حمیدہ سے یکسر محروم ہو چکی تھی۔ زوال آمادہ تہذیبیں قصر مذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو رہی تھیں، مصطفوی انقلاب کا سورج طلوع ہوا تو تہذیبی، ثقافتی اور مجلسی سطح پر بھی انقلاب آفریں تہذیب کا آغاز ہوا کیونکہ صدیوں کی انسانی تہذیبی آرزو اب تعبیر آشنا ہو رہی تھی:

In the creative soul of Muhammad the radiation of Judaism and Christianity was transmuted into a spiritual force which discharged itself in the new 'higher religion' of Islam.(1)

’’یہودیت اور عیسائیت کی روشنی محمد ﷺ کی خلاق روح میں یوں جمع ہوگئی کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئی۔ جو ایک بلند تر مذہب یعنی اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔‘‘

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 411.

آنے والے زمانے میں مسلمانوں نے بھی دعوت کے کام کو آگے بڑھایا اور دنیا کے دور دراز گوشوں میں ہدایت آسمانی کے نور کو پھیلایا اور پوری دنیا میں دعوت کا یہ کام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے لگا۔ دنیا کے کچلے ہوئے انسانوں کے لئے اسلامی تعلیمات میں بڑی کشش تھی، وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے، مسلمان جہاں گئے اپنی توانا ثقافتی روایات اپنے ساتھ لے کر گئے۔ جہاں بھی تہذیبوں کا آمنا سامنا ہوا، اسلامی تہذیب اپنی تخلیقی توانائیوں کی بدولت قدیم تہذیبوں پر نہ صرف غالب رہی بلکہ واحد عالمی تہذیب کے طور پر سامنے آئی:

> The next living society that we have to examine is Islam; and when we scan the background of the Islamic Society we discern there a universal state, a universal church and a Völkerwanderung.[1]

> ’’دوسرا زندہ معاشرہ جس کا ہم نے مطالعہ کرنا ہے وہ اسلام ہے اور جب ہم اسلامی معاشرے کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم بڑے واضح طور پر ایک بین الاقوامی اور آفاقی ریاست اور ایک بین الاقوامی اور آفاقی مذہبی ادارے اور ہمہ گیر نظریہ حیات کو موجود پاتے ہیں۔‘‘

اب یہاں اسلامی تہذیب کے ان خصائص کو بیان کیا جاتا ہے جو سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں مرتب ہوئے اور آئندہ ایک نئی اور بے مثل تہذیب کی بنیاد بنے۔

(۱) عقیدۂ توحید

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اولین عنصر ترکیبی توحید ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تعلیم ہے جس کا ابلاغ اسلام کا اولین مقصد تھا۔ اگر اسلامی ثقافت کی ہمہ جہت نشو و نما اور عالم

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 15.

گیر ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو باوجود علاقائی، جغرافیائی، نسلی اور لسانیاتی تنوع کے جو عنصر ایک قدر مشترک کے طور پر موجود ہے وہ عقیدۂ توحید ہے۔ توحید ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کی وہ قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی عقیدہ، آئیڈیالوجی یا نظام زندگی نہیں کر سکا۔

اسلام میں توحید مجرد عقیدہ یا ایک تصور نہیں بلکہ یہ ایک زندہ اور حرکی تصور حیات ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کے شجر طیبہ کی اصل ہے۔ یہ فرد اور ملت کی پیکر حیات کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر کوئی جسم زندگی کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح توحید کے بغیر اسلامی معاشرے میں فرد و ملت بے جان ہو جاتے ہیں۔ توحید غیر اللہ کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی وحدانیت کے اقرار سے عبارت ہے۔ یہی ''لَا'' اور ''اِلَّا'' اسلامی معاشرے کے افراد کے قلوب و اذہان سے ہر غیر اللہ کا نقش مٹاتے ہوئے اطاعت اِلٰہی کا داعیہ پیدا کرتے ہیں۔ اس سے انہیں وہ ایمانی قوت نصیب ہوتی ہے جس سے دل میں زندگی اور زندگی میں معنویت، وسعت اور آفاقیت جگہ پاتی ہے۔ اسلام سے قبل عقیدۂ توحید شرک کی گونا گوں صورتوں کی وجہ سے بگاڑ کا شکار ہو گیا۔ اسلام نے عقیدۂ توحید کی ان تمام خرابیوں کا خاتمہ کیا جو اسلام سے پہلے کے مذاہب اور ملل کے مابین پیدا ہو چکی تھیں۔ قرآنِ حکیم نے عقیدۂ توحید کی مختلف جہات کو پوری شرح و بسط سے بیان کر دیا ہے۔ تاہم سورۂ اخلاص عقیدۂ توحید کا ایسا جامع بیان ہے کہ اس میں عقیدۂ توحید کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان مغالطّوں کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے جن کا شکار انسانی شعور آغازِ اسلام کے وقت تھا۔

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ○ اللهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○[1]

''(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے ○ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے ○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ

(۱) الاخلاص: ۱۱۲

ہی وہ پیدا کیا گیا ہے ○ اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر ہے ○"

توحید کے اسلامی معاشرے پر اثرات اتنے عالمگیر اور گہرے ہیں کہ اغیار بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے:

There were two features in the social life of the Roman Empire in Muhammad's day that would make a particularly deep impression on the mind of an Arabian observer because, in Arabia, they were both conspicuous by their absence. The first of these features was monotheism in religion. The second was law and order in government. Muhammad's life-work consisted in translating each of these elements in the social fabric of 'R?m' into an Arabian vernacular version and incorporating both his Arabianized monotheism and his Arabianized imperium into a single master? institution-the all-embracing institution of Islam-to which he succeeded in imparting such titanic driving-force that the new dispensation, which had been designed by its author to meet the needs of the barbarians of Arabia, burst the bounds of the peninsula and captivated the entire Syriac World from the shores of the Atlantic to the coasts of the Eurasian Steppe.(1)

"محمد ﷺ کے زمانے میں رومی سلطنت کی زندگی کی دو خصوصیات بہت ہی اہم ہیں جن سے ایک عام عربی ذہن بہت گہرا اثر لے سکتا تھا۔ کیونکہ عرب میں یہ دو خصوصیات موجود نہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ تھیں ان

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, pp. 227-8.

خصوصیات میں سے پہلی توحید پر مبنی مذہب تھا اور دوسری قانون اور حکومت کا نظم و نسق تھا۔ محمد ﷺ کی زندگی بھر کی جد و جہد ان عناصر کو جو روم کی سماجی زندگی کے بنیادی عناصر تھے انہیں عرب کے مقامی حالات میں ڈھالنے اور انہیں عرب کے توحید پر مبنی مذہب اور ایک ہی آقا کے ماتحت عرب کی سلطنت کی تشکیل میں استعمال کرنے پر مبنی ہے۔ یعنی ایسا ادارہ جو ہمہ گیر ادارے اسلام پر مبنی تھا جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے کہ انہوں ایک نئی عظیم الشان قوت محرکہ فراہم کر دی جسے ان وحشی اور بدوی مزاج رکھنے والے عرب کی ضروریات کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور پھر یہ نظام اس جزیرہ نما کی سرحدوں سے باہر نکل گیا اور اس نے پوری عرب دنیا اور شامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جو اوقیانوس کے ساحلوں سے لے کر یوریشیا کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔‘‘

(۲) عقیدۂ رِسالت

اسلامی معاشرے اور تہذیب کی تشکیل میں رسالت کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل ہے۔ دین کی پوری عمارت کی بنیاد ایمان، اسلام اور احسان پر استوار ہے۔ اگر دین کے ان عناصر ترکیبی کے اجتماعی اور سماجی سطح پر اثرات کو دیکھیں تو ایمان دین کے مذہبی پہلو کا احاطہ کرتا ہے جو عقائد پر مشتمل ہے جبکہ اسلام ان عقائد کی روشنی میں عملی زندگی بسر کرنے کا نام ہے یعنی زندگی کا وہ ضابطہ عمل اور نظام قانون جو دین کے بنیادی عقائد کے خلاف نہ ہو بلکہ انہی عقائد کی تائید و توثیق کرے اسلام ہے۔ اسی طرح احسان معاشرے کی اخلاقی اور روحانی بالیدگی کا ایسا منہج ہے جس سے معاشرے کا جسد روحانی زندہ اور بحال رہتا ہے۔ دین کے یہ تینوں شعبے اس وقت ہی موثر اور معاشرے کے لیے نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں جب ان کا کامل اور قابل تقلید نمونہ موجود ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہی وہ کامل نمونہ ہے جو ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے ان تینوں جہات کا کامل و اَکمل نمونہ ہیں۔

تاریخ میں اُلوہی ضابطہ یہی رہا ہے کہ جب بھی کوئی معاشرہ انحطاط کا شکار ہوا تو اس کے زوال اور انحطاط کا ازالہ وحی سے کیا گیا۔ یعنی اس زوال زدہ معاشرے میں انبیاے کرام علیھم السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے اللہ کی تائید اور اپنے یقین و عمل کی قوت سے معاشرے کے تنِ مردہ میں پھر سے روح پھونک دی۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر خطے اور نسلِ انسانی کے ہر طبقے کی طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌo [۱]

''اور کوئی اُمت (ایسی) نہیں مگر اُس میں کوئی (نہ کوئی) ڈر سنانے والا (ضرور) گزرا ہےo''

قرآن کریم کی یہ آیت عمومیت رسالت پر دلالت کرتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کرہ ارض کا ہر وہ خطہ جہاں چند انسانوں نے مل کر معاشرہ (society) تشکیل دیا ہے، اللہ کی طرف سے آنے والے انبیاء کے فیضان سے خالی نہیں رہا۔ اِنذار و تبشیر اور دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ انسان انبیاء کی تعلیمات کے اثر سے تہذیب و تمدن کے اوصاف سے متصف ہوتا گیا تو آہستہ آہستہ نبوت و رسالت کے اس نظام میں وسعت و آفاقیت پیدا ہوتی چلی گئی اور ایسے انبیاء جن کا دائرۂ تبلیغ صرف کرۂ ارضی کو محیط تھا' تشریف لا چکے تو کائنات ارضی و سماوی اور قیامت تک کے تمام ادوار کے لیے خاتم الانبیاء سرور کون و مکان' فخر موجودات ﷺ کو مبعوث کر دیا گیا۔ اور وہ دنیا کے سب سے عظیم انقلاب اور سب سے بڑے دین کے داعی اور مبلغ اعظم قرار پائے۔ قرآن مجید نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس شان کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ [۲]

(۱) فاطر، ۳۵: ۲۴

(۲) السبا، ۳۴: ۲۸

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔‘‘

یعنی اب قیامت تک امت مسلمہ کی معاشرتی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی شناخت کا واحد معتبر حوالہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی رسالت ہی ہوگی:

بمصطفی برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است

(۳) عقیدۂ آخرت

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک صحت مند روایات کا امین نہیں بن سکتا جب تک اس میں جواب دہی کا تصور موجود نہ ہو۔ اسلام کی تہذیب اس حوالے سے امتیاز کی حامل ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں دنیاوی زندگی میں انجام دیے جانے والے اعمال کے احتساب اور جواب دہی کا تصور اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ قادر مطلق اور خالق کائنات کے سامنے جواب دہی کا یہ تصور جب سماجی اور عملی رویے میں ڈھلتا ہی تو ایسا تمدن وجود میں آتا ہے جس میں خیر کے فروغ کے امکانات برائی کے فروغ کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایمان پر استحکام اور کفر کے انکار کی بنیاد اسی تصور کو قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم ایمان بالآخرت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کرتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○[۱]

’’تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر

(۱) البقرہ، ۲:۲۸

تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے٥‘‘

جواب دہی اور جرم و سزا کا یہ تصور قرآن مجید میں اِس طرح مذکور ہے:

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱)

’’اور تمہارے اجر پورے کے پورے تو قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے۔‘‘

مزید اِرشاد فرمایا گیا:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ٥(۲)

’’پھر ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا٥‘‘

اِس اَمر کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ٥(۳)

’’اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے، سو کسی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا (تو) ہم اُسے (بھی) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں٥‘‘

بالآخر جزا و سزا کی آخری صورت یوں دکھائی جائے گی کہ:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ٥ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ٥(۴)

’’اور (اُس دن) جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی٥ اور دوزخ

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸۵

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۱

(۳) الأنبياء، ۲۱: ۴۷

(۴) الشعراء، ۲۶: ۹۰، ۹۱

گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی o‘‘

عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں اِن بنیادی اَجزاء پر کامل یقین رکھنا ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ جس سے انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ اگر افراد معاشرہ اس عقیدہ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر مستحضر رکھیں۔

(۴) اِحترامِ رِسالت مآب ﷺ

اسلامی معاشرے کا نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے۔ اُمتِ مسلمہ کی شناخت نسبتِ رسالت مآب ﷺ سے ہی وابستہ ہے۔ قرآن حکیم میں اس پہلو پر کئی مقامات پر زور دیا گیا ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ o(۱)

’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہو o‘‘

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ o(۲)

’’بیشک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی

(۱) الحجرات، ۴۹: ۲

(۲) الحجرات، ۴۹: ۳

آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَo (۱)

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کروo‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ط وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ط وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًاo (۲)

’’اے ایمان والو! نبیِّ (مکرّم ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اس

(۱) النور، ۲۴: ۲۷

(۲) الاحزاب، ۳۳: ۵۳

وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھاچکو تو (وہاں سے اُٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبیِّ (اکرم) کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اُٹھ جانے کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا، اور جب تم اُن (ازواجِ مطّہرات) سے کوئی سامان مانگو تو اُن سے پسِ پردہ پوچھا کرو، یہ (ادب) تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے بڑی طہارت کا سبب ہے، اور تمہارے لِئے (ہرگز جائز) نہیں کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ (جائز) ہے کہ تم اُن کے بعد ابد تک اُن کی ازواجِ (مطّہرات) سے نکاح کرو، بیشک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہےo"

(۵) اِنسانی مساوات

مساوات اسلامی معاشرے کی ایک لازمی قدر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا دور مبارک تاریخ انسانی کے روشن دنوں کا امین ہے۔ زمین پر عدل کی حکمرانی قائم ہوئی۔ ارشاد ہوا: اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیے جائیں گے۔[(۱)]

عدل و انصاف اور مساوات کا یہ حال تھا کہ حکمرانِ وقت امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے شریف و نجیب اور قریشی النسل ایک غلام کے بیٹے اُسامہؓ کے گھوڑے کی رکاب تھامے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[(۲)] عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے نڈر و

---

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب وقال اللیث حدثنی، ۴: ۱۵۶۶، رقم: ۴۰۵۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب قطع السارق، ۳: ۱۳۱۱، رقم: ۱۶۸۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الحدود، باب فی الحد، ۲: ۵۳۷، رقم: ۴۳۷۳

(۲) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶: ۳۰۵

بے باک خلیفہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو سیدنا کہہ کر پکارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1]

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کا ذکر تھا کہ آپ ﷺ کی صحبت، اخلاق حسنہ، نشست و برخاست، بود و باش اور شب و روز نے ایک ایسا انقلاب بپا کیا کہ آپ ﷺ کی ہم نشینی کا اعزاز حاصل کرنے والا شخص شرف انسانیت کا مظہر تھا۔

(٦) اَمن و سلامتی

حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کا کسی بھی حوالے سے جائزہ لیا جائے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں ہی امن قائم نہیں ہوا بلکہ پوری نسل انسانی کو سکون اور اطمینان کی چادر عطا ہوئی۔

یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس میں نسلی عصبیت کا پیکر انسان دوسروں کی جان و مال کا محافظ بن گیا۔ ظلم و استبداد سے اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنے والا دوسروں کی آزادی کا علمبردار بن گیا۔ دوسروں کی عزت و آبرو سے کھیلنے والا انہیں کی عفت و عصمت کا رکھوالا بن گیا۔ الغرض قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کے نور سے سارے کا سارا معاشرہ امن کا گہوارہ بن گیا اور دیگر اقوام امن کی خیرات لینے کے لئے اسلام کی طرف رجوع کرنے لگیں۔ آخر کار اسلامی تہذیب و تمدن اور نظام حیات کی برکات سے اندھیرے چھٹنے لگے۔

اسلام نے اقلیتوں کو بھی سلامتی عطا کی اور اپنے دور عروج میں باوجود ایک غالب تہذیب ہونے کے ان پر کسی بھی نوعیت کے جبر کی اجازت نہ دی:

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب بلال بن رباح، ۳: ۱۳۷۱، رقم: ۳۵۴۴

۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۳۲۰، رقم: ۵۲۳۹

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۳۳۸، رقم: ۱۰۱۵

Contrary to widespread Christian notions, Islam normally did not force conversion.(1)

’’عیسائیت میں پھیلے ہوئی خیالات کے بالکل برعکس اسلام مذہب کی تبدیلی کے لئے جبر نہیں کرتا۔‘‘

مزید برآں اسلام نے انسانی وقار پر کسی دوسری وابستگی کی برتری کی نفی کی:

Society in the Muslim world formed a definite social pyramid. During the Umayyad period, descendents of the old Bedouin clans were on top, followed by mawali converts from other religions. Once the Abbasides took power, this distinction ceased to exist.(2)

’’مسلم دنیا میں معاشرہ ایک متعین سماجی ڈھانچے کی تشکیل کا نام ہے۔ بنو امیہ کے زمانے میں قدیم بدوی قبائل کے جانشین سرفہرست تھے جن کی جگہ دوسرے مذاہب کے اسلام قبول کرنے والے موالی نے لی۔ جب عباسیوں نے اقتدار سنبھالا تو یہ امتیاز بھی ختم ہوگیا۔‘‘

اسلام کی اسی عالی ظرفی اور انسانیت نوازی نے اسے تمام طبقات کے لئے قابلِ قبول بنا دیا:

These non-Arab converts to Islam made it into a highly cosmopolitan, multiethnic religion and civilization.(3)

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 194.
(2) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 195.
(3) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 194.

’’ان غیر عرب لوگوں کے اسلام قبول کرنے نے اسلام کو ایک بلندتر آفاقی اور کثیر النسلی مذہب اور تہذیب میں بدل دیا۔‘‘

امن و سلامتی کے سلسلے میں کہ مسلمانوں کا نصب العین فقط یہ نہیں تھا کہ وہ طاقت ور قوم اور سب سے مضبوط گروہ ہوں۔ کیونکہ یہ بات انسان کے ذہن میں گھمنڈ اور نخوت و تکبر پیدا کرتی ہے اور انسانیت کی امن و سلامتی اور مساوات و اخوت کے منافی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا مقصد اخلاقی اور معنوی محاسن کا حصول ہے۔ جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا وہ سب سے اچھی اور نیک جماعت ہوگی اور وہ طاقت کے غرور اور قومی تفاخر کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہوسکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ امر مسلمانوں کے کردار کے لازمی جزو کے طور پر بیان فرمایا کہ وہ سراپا امن وسلامتی ہوتا ہے:

۱۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ (۱)

’’مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔‘‘

۲۔ عَنِ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، أَنَّهُمُ اصْطَلَحُوا عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ، عَشْرَ سِنِينَ، يَأْمَنُ فِيهِنَّ النَّاسُ، وَعَلَى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً وَأَنَّهُ لَا إِسْلَالَ، وَلَا إِغْلَالَ۔ (۲)

’’حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں (قریش) نے دس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، ۱: ۱۳، رقم: ۱۰
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام، ۱: ۶۵، رقم: ۴۱
۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب الهجرة هل انقطعت، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۱

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب فی صلح العدو، ۳: ۸۶، رقم: ۲۷۶۶

سال تک لڑائی بند رکھنے پر صلح کی، لوگ اس مدت میں امن سے رہیں گے اور فریقین کے دل صاف رہیں گے نہ چھپ کر بدخواہی کی جائی گی اور نہ ہی علی الاعلان کی جائے گی۔“

(۷) اِصلاحِ معاشرہ

تیرہ سالہ مکی زندگی اور پھر دس سالہ مدنی زندگی میں عزم و عمل کے جو چراغ روشن ہوئے ان کی روشنی نے زندگی کے ہر گوشے کو بقعۂ نور بنا دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو مثالی معاشرہ قائم ہوا اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل کوئی خرابی ایسی نہ تھی جو دنیا میں پائی نہ جاتی ہو۔ سارا معاشرہ کلی بگاڑ کا شکار تھا ہر طرف فتنہ و فساد اور افراتفری تھی۔ چین اور سکون لٹ چکا تھا۔ آخر کار اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے معاشرے کی صلاح و تطہیر کے لئے اپنا آخری نبی ﷺ دنیا میں بھیجا۔ جس نے بہت قلیل عرصے میں اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح احسن طریقے سے فرمائی۔ زندگی کے ہر شعبے کی خرابیوں کو درست کیا اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جس تک آپ ﷺ کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ نتیجۃً آپ کی جہدِ مسلسل اور سعیِ پیہم کی وجہ سے تیئیس سال کے مختصر عرصے میں وہ مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا جو آج تک اپنی مثال آپ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے کی بنیاد خوفِ خدا پر رکھی، کیوں کہ جس معاشرے کی بنیاد خوفِ خدا پر نہ ہو اس کی اصلاح قطعی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خوف خدا کو اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے بنیادی ستون قرار دیا ہے۔ آج معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں وہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے دوری کی وجہ سے ہیں۔ اگر ہم نے اسلامی نظام حیات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا تو معاشرتی بگاڑ روز بروز بڑھتا ہی چلا جائے گا اور آخر وہ دِن بھی آ جائے گا جب اس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ لہٰذا اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں اس کی اصلاح

کی طرف سنجیدگی سے توجہ کرنی چاہیے۔

اسلام سوسائٹی کی تقسیم، نسلی امتیاز یا مال و دولت کے اصول پر نہیں کرتا۔ وہ صرف دانائی اور نادانی ہی کی اساس پر معاشرہ کی طبقہ بندی کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

’’فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں؟‘‘

اسلامی سوسائٹی میں بلند ترین مقام اشراف یا امراء کو حاصل نہیں ہے، بلکہ صرف ’’خدا سے ڈرنے والوں کو‘‘ حاصل ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (۲)

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔‘‘

اور تقویٰ اور خوف و خشیتِ الٰہی اہلِ علم ہی کا حصہ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۳)

’’بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں۔‘‘

قرآنِ حکیم خود حضور نبی اکرم ﷺ کا تعارف ’’معلمِ کتاب و حکمت‘‘ کی حیثیت سے کراتا ہے اور اس ’’معلمِ کتاب و سنت‘‘ کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت بتاتا ہے:

---

(۱) الزمر، ۳۹: ۹

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۳

(۳) فاطر، ۳۵: ۲۸

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے○‘‘

لہٰذا اسلام نے اَقدارِ حیات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں علم و حکمت ہی کو زندگی کی قدرِ اَعلیٰ (خیرِ کثیر) قرار دیا ہے:

۱۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (۲)

’’اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی۔‘‘

۲۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ○ (۳)

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○‘‘

۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴
(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۹
(۳) الأعراف، ۷: ۳۱

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ○ (۱)

’’اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ کلام خریدتے ہیں تا کہ بغیر سوجھ بوجھ کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں اور اس (راہ) کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے○‘‘

۴۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ج وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ م بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ○ (۲)

’’اور آپ ان لوگوں کو چھوڑے رکھیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب دے رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے (ان کی آگاہی کی خاطر) نصیحت فرماتے رہیے تا کہ کوئی جان اپنے کئے کے بدلے سپردِ ہلاکت نہ کر دی جائے (پھر) اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی سفارشی اور اگر وہ (جان اپنے گناہوں کا) پورا پورا بدلہ (یعنی معاوضہ) بھی دے تو (بھی) اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کے بدلے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا پینا ہے اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے○‘‘

۵۔ اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

(۱) لقمان، ۳۱: ۶

(۲) الأنعام، ۶: ۷۰

فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (۱)

’’جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے، اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تم اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (نافرمانوں کے لئے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لئے) اللہ کی جانب سے مغفرت اور عظیم خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے کارہائے منصب کو بیان کرتے ہوئے جب فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے تو آپ ﷺ نے معاشرے کی عملی اصلاح کی اہمیت اجاگر فرما دی۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اللہ کی عطا کردہ رہنمائی سے معاشرے کو ذہنی، فکری اور علمی روشنی عطا فرمائی بلکہ عملاً افرادِ معاشرہ کے احوال کو بھی سدھارا۔ اگر اس تناظر میں تعلیماتِ نبوی کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے انفرادی رویوں، عادات و اطوار سے لے کر اجتماعی طرزِ عمل تک ہر پہلو کی اصلاح فرمائی۔ اس کا اندازہ آپ کے درج ذیل فرامین مبارکہ سے ہوتا ہے:

۱۔ قال: الطهارة أربع: قصّ الشارب، وحلق العانة، وتقليم الأظفار، والسواک۔ (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پاکیزگی چار چیزوں میں ہے: مونچھیں کٹوانا،

(۱) الحديد، ۵۷: ۲۰

(۲) هيثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱٦۸

موئے عانہ صاف کرنا، ناخن تراشنا اور مسواک کرنا۔‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

قال ﷺ: خمس من سنن المرسلين: الحياء، والحلم، والحجامة، والتعطر، والنكاح۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں سنتِ انبیاء علیہم السلام ہیں: حیاء، حلم، حجامت، خوشبو اور نکاح۔‘‘

۳۔ قال ﷺ: خير طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفي لونه، وخير طيب النساء ما ظهر لونه وخفي ريحه۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مردوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ہو مگر رنگ نہ ہو اور عورتوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ہو مگر خوشبو نہ ہو۔‘‘

۴۔ قال ﷺ: اقبلوا الكرامة، وأفضل الكرامة الطيب، أخفه محملًا وأطيبه رائحة۔(۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عزت (تحفہ) قبول کرو اور سب سے افضل عزت (تحفہ) خوشبو ہے۔ جو اٹھانے میں ہلکی اور اس کی خوشبو میں پاکیزہ ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه، ۳: ۳۹۱، رقم: ۱۰۸۰
۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۱۳۷
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۲۱، رقم: ۲۳۶۲۸

(۲) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۳۲۱، رقم: ۷۹۳۸
۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۴۲۸، رقم: ۹۴۰۸
۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۱۵، رقم: ۶۹۸

(۳) طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۲۳۹، رقم: ۶۲۸۹

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۵۔ **قال ﷺ: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس حريرًا ولا ذهبًا۔**(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس وہ ریشم اور سونا نہ پہنے۔‘‘

۶۔ **قال ﷺ: من لبس ثوب حرير ألبسه الله ثوباً من النار يوم القيامة۔**(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ریشم کا لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے آگ کا لباس پہنائے گا۔‘‘

۷۔ **قال ﷺ: من أسبل إزاره في صلاته خيلاء فليس من الله في حل ولا حرام۔**(۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز میں تکبر کی خاطر اپنی ازار کو لٹکائے گا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں۔‘‘

۸۔ **عن معاوية بن حيدة قلت: يا رسول الله! عوراتنا ما نأتي وما نذر؟ قال: احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ما ملکت يمينک۔**(۴)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۲۸۶، رقم: ۱۸۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۱، رقم: ۲۲۳۰۲

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۲۴، رقم: ۲۶۸۰۰

(۳) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب الإسبال فی الصلاة، ۱: ۱۷۲، رقم: ۶۳۷
۲۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۳: ۶۷، رقم: ۳۱۰۴

(۴) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الادب عن رسول الله، ۵: ۲۸۹۴، رقم ۲۷۹۴ —

’’حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا سب سے چھپاؤ۔‘‘

۹۔ **قال ﷺ: من لبس ثوبًا جديدًا فقال: الحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتی وأتجمل به في حياتي، ثم عمد إلى الثوب الّذي أخلق فتصدق به، كان في كتف الله، وفي حفظ الله، وفي ستر الله حيًّا وميتًا۔** (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نیا لباس پہن کر یہ دعا پڑھے ’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا کہ میں اس سے اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں اور پرانے کپڑے صدقہ کر دے وہ زندگی بھر اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالی کی حمایت حفاظت اور پردے میں رہے گا۔‘‘

۱۰۔ **قال ﷺ: البسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم،**

.......۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الحمام، باب ما جاء فی التعري، ۴: ۴۰، رقم: ۴۰۱۷

۳۔ بيهقی، السنن الکبری، ۱: ۱۹۹، رقم: ۹۱۰

۴۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۹: ۴۱۲، رقم: ۹۸۹

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب فی دعا النبی ﷺ، ۵: ۵۵۸، رقم: ۳۵۶۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب اللباس، باب ما يقول الرجل إذا لبس ثوبا جديدا، ۲: ۱۱۷۸، رقم: ۳۵۵۷

۳۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۵: ۱۸۹، رقم: ۲۵۸۹

وكفنوا فيها موتاكم، وإن من خير أكحالكم الإثمد، إنّه يجلو البصر وينبت الشعر۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ تمہارے تمام کپڑوں میں سب سے بہتر ہے اور اسی کا اپنے مردے کو کفن دیا کرو اور تمہارے سرموں میں سب سے بہتر اثمد ہے جو بینائی کو چمکاتا اور پلکوں کو اگاتا ہے۔‘‘

۱۱۔ **نهى النبي ﷺ عن لبستين: المشهورة في حسنها، والمشهورة في قبحها۔[2]**

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے دو لباسوں سے منع فرمایا: جو خوبصورتی میں مشہور ہوں اور جو بدصورتی میں مشہور ہوں۔‘‘

۱۲۔ **قال ﷺ: لعن الله الرجل يلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل۔[3]**

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عورتوں کا لباس پہنے والے مرد اور مردوں کا لباس پہننے والی عورت پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔‘‘

۱۳۔ **قال ﷺ: ليس مِنّا من تشبّه بالرّجال من النساء ولا من تشبّه**

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الطب، باب في الأمر، ۴: ۸، رقم: ۳۸۷۸
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۲۰۵، رقم: ۷۳۷۸

(۲) هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۱۳۵

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب اللباس، باب في لباس النساء، ۴: ۶۰، رقم: ۴۰۹۸
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۶۲، رقم: ۵۷۵۱
۳۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۲۱۵، رقم: ۷۴۱۵
۴۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۳۵۱، رقم: ۱۴۵۵

بالنّساء من الرّجال۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ عورتیں ہم میں سے نہیں جو مردوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور نہ وہ مرد ہم میں سے ہیں جو عورتوں کے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔‘‘

۱۴۔ **قال ﷺ: من أوی إلی فراشه طاهرًا یذکر اللہ تعالی حتّی یدرکه النعاس، لم یتقلب ساعة من اللیل یسأل اللہ شیئًا من خیر الدنیا والآخرۃ إلّا أعطاہ اللہ إیاہ۔**[2]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص باوضو ہو کر سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتا ہے اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے نیند آجاتی ہے پھر رات کی کسی گھڑی میں جب وہ کروٹ بدلتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی یا بہتری مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرما دیتا ہے۔‘‘

۱۵۔ **قال ﷺ: خمروا الآنیة، وأوکوا الأسقیة، وأجیفوا الأبواب، واکفتوا صبیانکم عند العشاء، فإن للجن انتشارًا وخطفة، وأطفئوا المصابیح عند الرقاد۔**[3]

---

(۱) هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۰۳

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الدعوات، باب منه، ۵: ۵۴۰، رقم: ۳۵۲۶
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۸: ۱۲۵، رقم: ۷۵۶۸
۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۸۸۰

(۳) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب خمس من دواب، ۳: ۱۲۰۵، رقم: ۳۱۳۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۸، رقم: ۱۵۲۰۶
۳۔ أبو یعلی، المسند، ۴: ۹۸، رقم: ۲۱۳۰

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: رات کے وقت برتنوں کو ڈھانپ دو، پانی کے برتنوں کے منہ بند کر دو، دروازوں کو بند کر دو اور اپنے بچوں کو عشاء کے وقت باہر جانے سے روکو۔ کیونکہ وہ جنات کے پھیل جانے اور دست درازی کرنے کا وقت ہے اور سوتے وقت چراغ بجھا دیا کرو۔‘‘

۱۶۔ قال ﷺ: غطّوا الإناء، وأوكوا السقاء، فإنّ في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء أو سقاء۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکوں کا منہ بند رکھو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے اور وہ اس برتن اور مشک میں سرایت کر جاتی ہے جو ڈھکا ہوا نہ ہو۔‘‘

۱۷۔ قال ﷺ: إنّ اللہ تعالی طيب يحب الطيب، نظيف يحب النظافة، كريم يحب الكرم، جواد يحب الجود، فنظفوا أفنيتكم، ولا تشبهوا باليهود۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتا ہے، وہ صاف ہے اور صفائی کو پسند فرماتا ہے، کرم والا ہے اور اسے کرم محبوب ہے، سخی ہے اور سخاوت سے محبت فرماتا ہے پس اپنے گھر کے صحن صاف رکھا کرو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب الأمر، ۳: ۱۵۹۶، رقم: ۲۰۱۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۵، رقم: ۱۴۸۷۱
۳۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۱۲: ۱۸۰

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأدب عن رسول الله، باب ما جاء ۵: ۱۱۱، رقم: ۲۷۹۹
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۱۲۱، رقم: ۷۹۰

۱۸۔ قال ﷺ: إذا خرجتم من بيوتكم بالليل فأغلقوا أبوابها۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم رات کو اپنے گھروں سے نکلو تو دروازے بند کر دیا کرو۔''

۱۹۔ عن رجل من أصحاب النّبي ﷺ أنّ رسول الله ﷺ قال: ليت شعري كيف أمّتي بعدي حين تتبختر رجالهم وتمرح نساؤهم وليت شعري حين تصيرون صنفين صنفًا ناصبي نحورهم في سبيل الله و صنفًا عمالًا لغير الله۔ (۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہائے افسوس! میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا (اور ان کو کیا کچھ دیکھنا پڑے گا) جب ان کے مرد اکڑ کر چلا کریں گے اور ان کی عورتیں (سربازار) اتراتی پھریں گی اور جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی ایک قسم تو وہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سینہ سپر ہونگے اور ایک قسم وہ ہوگی جو غیر اللہ ہی کے لئے سب کچھ کریں گے۔''

۲۰۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النّارِ لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها النّاس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإنّ ريحها ليوجد من مسيرة

www.MinhajBooks.com

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۱۲

(۲) ۱۔ ابن عساكر، تاريخ دمشق الكبير، ۲۰: ۴۰۱
۲۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۳۵۰
۳۔ هندي، كنز العمال، ۷: ۱۷۵

كذا وكذا۔[1]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (بعد میں پیدا ہوں گے) ایک وہ گروہ جن کے ہاتھوں میں بیل کی دم کی مانند کوڑے ہوں گے وہ ان کو لوگوں کے منہ پر (ناحق) ماریں گے۔ دوم وہ عورتیں جو (کہنے کو تو) لباس پہنے ہوئے ہوں گی لیکن درحقیقت برہنہ ہوں گی۔ (لوگوں کو اپنے جسم کی نمائش اور لباس کی زیبائش سے اپنی طرف) مائل کریں گی۔ (اور خود بھی مردوں سے اختلاط کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر (فیشن کی وجہ سے) بختی اونٹ کی کوہان جیسے ہوں گے، یہ عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی نہ جنت کی خوشبو ہی ان کو نصیب ہوگی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو دور دور سے آ رہی ہوگی۔‘‘

۲۱۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ يمسخ قوم من أمتي في آخر الزمان قردة وخنازير قيل: يا رسول الله، ويشهدون أن لا إله إلّا الله وأنّك رسول الله ويصومون؟ قال: نعم، قيل: فما بالهم يا رسول الله؟ قال: يتخذون المعازف والقينات والدفوف ويشربون الأشربة فباتوا على شربهم ولهوهم فأصبحوا قد

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، ۳: ۱۶۸۰، رقم: ۲۱۲۸
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶: ۵۰۰، ۵۰۱، رقم: ۷۴۶۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۵، رقم: ۸۶۵۰
۴۔ أبويعلى، المسند، ۱۲: ۴۶، رقم: ۶۶۹۰
۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۸۰، رقم: ۵۸۵۴
۶۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۲: ۲۳۴، رقم: ۳۰۷۷
۷۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۰۱، رقم: ۳۷۸۳

مسخوا قردة وخنازير۔(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری اُمت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے۔ بالآخر وہ ایک رات مصروفِ لہو و لعب رہیں گے اور جب صبح ہوگی تو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔‘‘

۲۲۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنّ النبي ﷺ قال: إنّ اللہ عزوجل إذا أراد أن يهلك عبداً نزع منه الحياء فإذا نزع منه الحياء لم تلقه إلّا مقيتاً ممقتاً، فإذا لم تلقه إلّا مقيتاً ممقتاً نزعت منه الأمانة فإذا نزعت منه الأمانة لم تلقه إلّا خائناً مخوناً فإذا لم تلقه إلّا خائناً مخوناً نزعت منه الرّحمة فإذا نزعت منه الرحمة لم تلقه إلّا رجيماً ملعناً فإذا لم تلقه إلّا رجيماً ملعناً نزعت منه ربقة الإسلام۔(۲)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی ہلاکت کا فیصلہ فرماتا ہے تو (سب سے پہلے) اس سے شرم و حیا چھین لیتا ہے اور جب اس سے حیاء جاتی رہی تو تم (اس کی بے

(۱) أبونعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۳: ۱۱۹، ۱۲۰

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب ذهاب الأمانة، ۲: ۱۳۴۷، رقم: ۴۰۵۴

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۷۰، رقم: ۴۰۰۰

حیائیوں کی وجہ سے) اسے شدید مبغوض اور قابل نفرت پاؤ گے اور جب اس کی یہ حالت ہو جائے تو اس سے امانت (بھی) چھین لی جاتی ہے اور جب اس سے امانت چھن جائے تو تم (اس کی بد دیانتی کی وجہ سے) اسے نرا خائن اور دھوکے باز پاؤ گے اور جب اس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے تو اس سے رحمت بھی چھین لی جاتی ہے اور جب رحمت چھن جائے تو تم اسے (بے رحمی کی وجہ سے) مردود و ملعون پاؤ گے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے تو اس کی گردن سے اسلام کا پٹہ نکال لیا جاتا ہے (اور اسے اسلام سے عار آنے لگتی ہے)۔‘‘

(۸) نظامِ حکمرانی کی اِصلاح

ریاست مدینہ ایک نظریاتی مملکت تھی اور اس مملکت کی بنیاد ہجرت مدینہ کے فوراً بعد رکھ دی گئی تھی۔ یہ گویا مصطفوی انقلاب کی تکمیل کی طرف سفر رحمت کا آغاز تھا۔ تحریک اسلامی مرحلہ انقلاب میں داخل ہو رہی تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کی مختصر ریاست میں اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کی اور نبوی حکمت سے اسلامی نظام حکومت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق باہمی زندگی گزارنے کا معاہدہ کیا۔ صلح و جنگ کے اعلیٰ اصول قائم کیے اور ان کے مطابق عمل کیا۔ یہ اُصول اور تعلیمات ایسی ہیں کہ آج بھی دنیا کی مشکلات کا مداوا کر سکتی ہیں۔ جو سیاست اور حکمت عملی آپ ﷺ نے اپنائی تھی اس کے بنیادی اُصول آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح وہ دورِ نبوی اور مسلمانوں کے اِبتدائی دور میں عملی طور پر کامیاب ثابت ہوئے تھے۔

شروع شروع میں جب اِسلامی حکومت مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح تک محدود تھی تمام انتظامی اور سیاسی معاملات آپ ﷺ خود طے کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب تمام اہل عرب مسلمان ہوگئے اور اسلامی ریاست کی حدود پھیل گئیں تو آپ ﷺ نے ہر علاقے کے الگ الگ حاکم مقرر کئے؛ جیسا کہ مکہ معظّمہ، عمان، بحرین، تیماء اور یمن

کے مختلف حصوں کے لئے حکام مقرر کئے گئے۔ جزیرہ نمائے عرب چوں کہ سب سے زیادہ آباد اور وسیع علاقہ تھا اور اس کا قدیم تہذیب و تمدن بھی مشہور تھا۔ اس کے علاوہ تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کا تجارتی کاروبار بھی ترقی پذیر تھا، زراعت اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی اس کی اہمیت تھی اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے نظم ونسق، نظام سلطنت اور حکام کے تقرر پر خاص توجہ فرمائی۔

مدینہ منورہ کے نظام تہذیب و ثقافت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے منتشر اجزا کو مرتب اور مربوط کیا اور اسے سماجی اور معاشرتی ہم آہنگی سے آشنا کیا آپ ﷺ نے جوانوں سے کہا کہ بوڑھوں کا احترام کریں، بوڑھوں سے کہا کہ بچوں پر شفقت کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليس منّا من لم يرحم صغيرنا ويؤقّر كبيرنا۔ (۱)

”(وہ شخص) ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا۔“

امیروں سے کہا کہ غریبوں کا خیال رکھیں، غریبوں کو کہا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھیں۔ الغرض آپ ﷺ نے تمام طبقات کو معاشرے کی فلاح و بہبود پر لگا دیا۔ نتیجتاً آپ ﷺ کی حکمتِ عملی اور نظم و ضبط کی وجہ سے بغیر کسی جبر و تشدد کے متمول لوگ معاشرے کی فلاح و بہبود پر بے دریغ خرچ کرنے لگے اور یوں حضور ﷺ نے معاشرے کے مختلف طبقات کو باہم متحد اور منظّم کر دیا اور حق کی حمایت میں باطل کے خلاف سب کو صف آراء کر دیا۔ آپ نے ان تمام عوامل سے احتراز کی تعلیم دی جو معاشرے یا مملکت کو عدم استحکام، اختلال اور جور و تظلم کا شکار کر سکتے ہیں۔

۱۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: سيأتي على الناس

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

سنوات خدّاعات يصدق فيها الكاذب ويكذب فيها الصادق ويؤتمن فيها الخائن ويخون فيها الأمين وينطق فيها الرويبضة قيل وما الرويبضة؟ قال الرجل التّافه يتكلم في أمر العامة۔[(۱)]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر بہت سے سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکہ ہی دھوکہ ہو گا۔ اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔ بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور ’’رویبضہ‘‘ یعنی گرے پڑے، نااہل لوگ قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا: ’’رویبضہ‘‘ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نااہل اور بے قیمت آدمی جو قوم کے اہم معاملات میں رائے زنی کرے۔‘‘

۲۔ عن أم سلمة أنّها سمعت النبي ﷺ يقول: ليأتين على الناس زمان يكذب فيه الصادق ويصدق فيه الكاذب ويخون فيه الأمين ويؤتمن فيه الخؤون ويشهد فيه المرء ولم يستشهد ويحلف وأن لم يستحلف ويكون أسعد الناس في الدنيا لكع بن لكع لا يؤمن بالله ورسوله۔[(۲)]

---

(۱) ا۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب شدة الزمان، ۲: ۱۳۳۹، رقم: ۴۰۳۶
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۹۱، رقم: ۷۸۹۹
۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۵۱۲، رقم: ۸۴۳۹
۴۔ أبويعلى، المسند، ۶: ۳۷۸، رقم: ۳۷۱۵

(۲) ا۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۸: ۲۷۸، رقم: ۲۹۹۳
۲۔ طحاوي، شرح معاني الأثار، ۴: ۱۵۱

’’حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا کہا جائے گا اور خیانت پیشہ لوگوں کو امانت دار اور امانت دار لوگوں کو خیانت پیشہ بتلایا جائے گا۔ بغیر طلب کیے لوگ گواہیاں دیں گے اور بغیر حلف اٹھوائے حلف اٹھائیں گے۔ اور کمینہ ابن کمینہ دنیاوی اعتبار سے سب سے زیادہ خوش نصیب ہوگا۔ جس کا نہ اللہ پر ایمان ہوگا نہ اس کے رسول ﷺ پر۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عملی اقدامات کے ذریعے اسلامی تہذیب کو فروغ پذیری کا منہج اور سمت عطا کی جس پر چل کر آنے والے زمانے میں وہ تہذیب وجود میں آئی جو دوسری تہذیبوں میں ہر لحاظ سے شوکت و تمکنت کی حامل تھی۔ اس اَمر کا اعتراف ایک مغربی مفکر یوں کرتا ہے:

> Aside from their military merits, their strength included extraordinary artistic sensitivity in literature, architecture and symbolic imagery: a commitment to justice for all, no matter how weak, a tolerance for non-believers that was unusual for its time .... In economic and administrative affairs, the Ottomans had a far more efficient tax system and better control of their provincial authorities than any European government of the fourteenth through sixteenth centuries. (1)

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۳۱۴، رقم: ۷۱۱

۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۲۸۲، رقم: ۸۶۴۳

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۸۳

۶۔ مناوي، فيض القدير شرح جامع الصغير، ۵: ۳۴۵

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 495.

’’عسکری خوبیوں کے علاوہ ان کی طاقت ادب میں غیر معمولی فنی احساسات، فن تعمیر و علامتی تصویر کشی، سب کے لئے انصاف کے قیام چاہے کوئی کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، غیر مسلموں کے لئے رواداری اور برداشت جو کہ اس زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھیں، پر مشتمل تھی۔ معاشی اور انتظامی معاملات میں عثمانیوں کا ٹیکسوں کا نظام بہت زیادہ کامیاب تھا اور انہیں چودہویں سے سولہویں صدی تک کی یورپی حکومتوں کی نسبت اپنے صوبوں پر بہتر کنٹرول حاصل تھا۔‘‘

(۹) حسنِ اَخلاق اور عدمِ تشدد

حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو خوش اخلاقی اور نرمی کی تعلیم دی اور انہیں تشدد اور ظلم سے منع فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے تو انہیں نصیحت فرماتے:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا۔(۱)

’’لوگوں کے لئے سہولت فراہم کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو بشارت دو انہیں وحشت زدہ نہ کرو۔ اتفاق باہمی سے رہو اختلافات پیدا نہ کرو۔‘‘

آپ ﷺ حکام اور دیگر مسلمانوں کو یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ماتحت ملازموں اور عام لوگوں پر سختی نہ کریں حتی کہ حکومت ٹیکس اور واجبات بھی تشدد کے ذریعے وصول نہ کرے۔ آپ ﷺ ہر حالت میں نرمی، خوش اخلاقی اور سہولت کا رویہ اختیار کرنے کا حکم فرماتے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے تمام عمال کو یہ قطعی حکم دے رکھا تھا کہ غیر مسلم

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب ما یکرہ، ۳: ۱۱۰۴، رقم: ۲۸۷۳
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر، ۳: ۱۳۵۸، رقم: ۱۷۳۲

رعایا سے بھی جزیہ کی وصولی کے وقت ہرگز تشدد نہ کیا جائے بلکہ انہیں جزیہ اور دیگر واجبات کی ادائیگی میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **إنّ اللہ يعذّب الذين يعذّبون النّاس في الدّنيا۔**(۱)

''اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں (لوگوں کو) عذاب دیتے ہیں۔''

۲۔ **عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: يأتی علی النّاس زمان يخيّر الرّجل فيه بين العجز والفجور فمن أدرک ذالک الزمان فليختر العجز علی الفجور۔**(۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ یا تو احمق کہلانے کو اختیار کرے یا بدکاری کو اختیار کرے۔ پس جو شخص یہ زمانہ پائے اسے چاہیے بدکاری اختیار کرنے کی بجائے احمق کہلانے کو اختیار کرے۔''

آپ نے اَخلاقِ حسنہ کے انفرادی اور معاشرتی پہلوؤں کو کئی مواقع پر بیان فرمایا اوران پر عمل کی تلقین فرمائی:

۳۔ **عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ قال: إنّ اللہ لا**

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب البر، باب الوعيد الشديد، ۴: ۲۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج، باب فی التشديد، ۲: ۱۸۵، رقم: ۳۰۴۵

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۴: ۴۸۴، رقم: ۸۳۵۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۷، رقم: ۹۷۶۶

۳۔ أبويعلی، المسند، ۱۱: ۲۸۷، رقم: ۶۴۰۳

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۲۰، رقم: ۸۳۳۲

يحبّ الفاحش ولا التفحش والّذي نفس محمد بيده لا تقوم السّاعة حتّى يظهر الفحش والتفحش وقطيعة الرحم وسوء المجاورة ويخون الأمين ويؤتمن الخائن۔(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بدکاری اور بدکلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ بدکاری، بدزبانی، قطع رحمی اور برے ہمسائے عام نہ ہو جائیں۔ امانت دار کو خیانت کار اور خائن کو امانت دار نہ قرار دیا جانے لگے گا۔‘‘

۴۔ **عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: يأتي على الناس زمان الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر۔**(۲)

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسے ہوگی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھرے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۱۴۷، رقم: ۲۵۳
۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۵۵۸، رقم: ۸۵۶۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۹۹، رقم: ۶۸۷۲
۴۔ بزار، المسند، ۶: ۴۱۰
۵۔ معمر بن راشد، الجامع، ۱۱: ۴۰۵
۶۔ ابن مبارک، الزھد، ۱: ۵۶۱، رقم: ۱۶۱۰
۷۔ ہندي، کنز العمال، ۷: ۱۷۶

(۲) ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في النھي عن سب الریاح، ۴: ۵۲۶، رقم: ۲۲۶۰

(۱۰) سادگی

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سادہ زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے اس سے معاشرے میں طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مادہ پرستی اور نفسانفسی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کی سادہ زندگی ہمارے سامنے نمونہ عمل ہے۔آپ ﷺ بہت سادہ لباس زیب تن فرماتے حتی کہ اس وقت جب یمن سے لے کر شام تک اسلام کی سیادت کا پرچم لہرا رہا تھا پیغمبر اسلام ﷺ کے گھر میں صرف ایک معمولی سا پلنگ اور چمڑے کی ایک چھاگل تھی۔آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے گھر میں تھوڑے سے جو کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔آپ ﷺ گھر کا زیادہ تر کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے، کپڑے خود دھو لیتے اپنے جوتے اپنے ہاتھ سے خود سی لیتے تھے، اونٹ خود باندھتے اور اپنے ہاتھ سے اس کے آگے چارہ ڈالتے۔آپ ﷺ نے اہل ایمان کو زندگی میں سادگی کو شعار بنانے کی تلقین فرمائی:

۱۔ قال ﷺ: من كرامة المؤمن على الله نقاء ثوبه ورضاء باليسير۔[۱]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مومن کے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے والی چیزوں میں سے ایک اس کے کپڑوں کا صاف ستھرا ہونا اور قناعت پر راضی رہنا ہے۔''

۲۔ قال ﷺ: كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا من غير مخيلة ولا تسرفوا فإن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده۔[۲]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو جس میں

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۹۵، رقم: ۱۳۴۵۸

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۳۲

(۲) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۲۴۱

تکبر نہ ہو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر نعمت کا اثر نظر آئے۔‘‘

۳۔ **قال ﷺ : لا ألبس القميص المكفّف بالحرير۔**[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں وہ قمیص نہیں پہنتا جس میں ریشمی کف لگے ہوئے ہوں۔‘‘

۴۔ **قال ﷺ: من لبس ثوب شهرة في الدنيا؛ ألبسه الله تعالى ثوب مذلة يوم القيامة۔**[2]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں شہرت اور نام وری کے لئے کپڑے پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔‘‘

۵۔ **قال ﷺ: إن كنتم تحبون حلية الجنة وحريرها فلا تلبسوها في الدنيا۔**[3]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم جنت کی زینت اور ریشم پسند کرتے ہو

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الحمام، باب من كرهه، ۴: ۴۸، رقم، ۴۰۴۸
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۲۱۱، رقم: ۷۴۰۰
۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۳: ۲۴۶، رقم: ۵۷۶۸
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۴۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۲، رقم: ۵۶۶۴
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۴۶۰، رقم: ۹۵۶۰

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۴۵
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۴؛ رقم: ۱۱۵۷
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۲: ۲۹۷، رقم: ۵۴۸۶
۴۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۴۳۴، رقم: ۹۴۳۶

تو دنیا میں اسے نہ پہنو۔‘‘

۶۔ قال ﷺ: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس حريرًا ولا ذهبًا۔[۱]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ سونا اور ریشم نہ پہنے۔‘‘

۷۔ عن عقبة بن عامر قال: أهدي لرسول الله ﷺ فروج حرير فلبسه ثم نزعه قال: لا ينبغي هذا للمتّقين۔[۲]

’’حضور نبی اکرم ﷺ کو ریشم کی قبا ہدیہ میں دی گئی آپ نے اسے پہن کر نماز پڑھی پھر کراہت کے ساتھ اسے زور سے کھینچ کر اُتارا پھر فرمایا: متقیوں کے لئے یہ لباس مناسب نہیں۔‘‘

۸۔ قال ﷺ: لا يستمتع بالحرير من يرجو أيام الله۔[۳]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ریشمی لباس سے تمتع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے (اُخروی) انعامات کی اُمید نہ رکھے۔‘‘

---

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصلاة، باب من صلى في فروج، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس، باب تحريم استعمال، ۳: ۱۰۴۶، رقم: ۲۰۷۴

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۷، رقم: ۲۲۳۵۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۱۰۶، رقم: ۷۵۱۰

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۷۱، رقم: ۱۳۲۱

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۱، رقم: ۲۲۳۰۲

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۲۸۶، رقم: ۳۱۶۸

www.MinhajBooks.com

۹۔ أنّ علیاً کان یلبس القمیص ثم یمد الکم حتّی إذا بلغ الأصابع قطع ما فضل ویقول: لا فضل للکمین علی الید۔ (۱)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ قمیص پہنا کرتے تھے اور آستین کو کھینچتے یہاں تک کہ جب وہ انگلیوں تک پہنچ جاتی تو اس سے فالتو کو کاٹ دیتے اور فرماتے: آستین کو ہاتھ سے بڑھا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

۱۰۔ قال ﷺ: إنّه لیس لنبي أن یدخل بیتاً مزوقًا۔ (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے اچھا نہیں کہ وہ نقش و نگار والے گھر میں داخل ہو۔‘‘

(۱۱) تواضع اور رواداری

حضور نبی اکرم ﷺ نے غرباء و مساکین اور فقراء کے ساتھ حسن سلوک اور مساویانہ طرزِ عمل کی تعلیم دی۔ حضور رحمت عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

أللّھم! أحیینی مسکیناً وأمتنی مسکیناً واحشرنی في زمرۃ المساکین۔ (۳)

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۱۳۸، رقم: ۶۱۸۳

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأطعمۃ، باب إجابۃ الدعوۃ، ۳: ۳۴۴، رقم: ۳۷۵۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمۃ، باب إذا رأی، ۲: ۱۱۱۵، رقم: ۳۳۶۰

۳۔ بیہقي، السنن الکبری، ۷: ۲۶۷، رقم: ۱۴۳۳۷

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب ما جاء أن الفقراء، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲ ——

''اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، حالت مسکینی میں ہی موت دے اور قیامت کے دن مساکین کی ہی جماعت سے اٹھانا۔''

آپ ﷺ کی مجلس میں اکثر نادار، مساکین، فقرا اور معمولی حیثیت کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ ﷺ جس طرح صاحب ثروت لوگوں کے ساتھ پیش آتے تھے اس سے بھی زیادہ شفقت سے ان لوگوں سے سلوک فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی رواداری اور حسن سلوک کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ فتح کے روز آپ ﷺ نے اپنے خون کے پیاسوں کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم کا مژدہ جاں فزا سنا کر معاف فرما دیا۔(۱)

الغرض اسلام انسانیت کو پیار، محبت، الفت، حسن سلوک اور ایک دوسرے سے تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔ تواضع اور رواداری کی تلقین ہمیں سیرۃُ الرسول ﷺ کے ہر ہر نقش سے نمایاں نظر آتی ہے:

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقوم السّاعة حتّی یتباهی النّاس في المساجد۔(۲)

...... ۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب مجالسة الفقراء، ۲: ۱۳۸۱، رقم: ۴۱۲۶

۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۳۵۸، رقم: ۷۹۱۱

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷: ۳۵۱

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۴۹۰

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۱۸

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب المساجد، باب المباهاة في المساجد، ۲: ۳۲، رقم: ۶۸۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، ۱: ۱۲۳، رقم: ۴۴۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المساجد والجماعات، باب تشیید المساجد، ——

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں میں (بیٹھ کر یا مساجد کے بارے میں) فخر کرنے لگیں گے۔‘‘

اسلام کے اس اعلیٰ وصف کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

Muhammad prescribed the religious toleration of Jews and Christians who had made political submission to the secular arm of Islam, and he gave this ruling expressly on the ground that these two non-Muslim religious communities, like the Muslims themselves, were 'People of the Book'. It is significant of the tolerant spirit which animated Primitive Islam that, without express sanction from the Prophet himself, a similar toleration was afterwards extended in practice to the Zoroastrians who came under Muslim rule. (1)

’’محمد ﷺ نے مذہبی رواداری کا درس دیا یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے جنہوں نے بھی ان کے سامنے سیاسی طور پر اتحاد کو قبول کیا۔ انہوں نے یہ حکم واضح طور پر اس بنیاد پر جاری کیا کہ یہ دونوں غیر مسلم طبقات مسلمانوں ہی کی طرح اہل کتاب ہیں۔ یہ رواداری والی روح کی ہی اہمیت تھی جس نے ابتدائی

.... ۱: ۲۴۴، رقم: ۷۳۹

۴۔ دارمي، السنن، كتاب الصلاة، باب في تزويق المساجد، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۴۰۸

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۴۹۳، رقم: ۱۶۱۴

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۴، رقم: ۱۲۴۰۲

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 300.

اسلام کو بہت زندگی عطا کی۔ گو کہ پیغمبر ﷺ کے طرف سے خود بہت واضح طور پر اس کے لئے ہدایات موجود نہ تھیں، بعد میں اس طرح کی رواداری کا طرزِ عمل مسلم حکمرانوں کے ماتحت زرتشتیوں کے لئے بھی روا رکھا گیا۔‘‘

(۱۲) اِنسانی اُخوت

اسلام نے اپنی آمد کے بعد انسانیت کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت اور اخوت کی روح پیدا کریں۔ ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ عداوت، حسد، کینہ اور بغض کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن تو ساری دنیا کے اہلِ کتاب کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔[1]

’’آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔‘‘

دوسری طرف اُخوتِ اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝[2]

’’بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۝‘‘

www.MinhajBooks.com

ان آیاتِ مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام دنیا میں امن و آشتی کا دین ہے جو

(۱) آل عمران، ۳: ۶۴

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۰

چہار دانگ عالم میں اتحاد و اتفاق کے پرچم بلند کرکے پوری دنیائے انسانیت کو وحدت کی لڑی میں پرونا چاہتا ہے۔

وَلَا تَمۡشِ فِي الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ○(۱)

’’اور زمین میں اکڑ کر مت چل، بیشک تو زمین کو (اپنی رعونت کے زور سے) ہرگز چیر نہیں سکتا اور نہ ہی ہرگز تو بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے (تو جو کچھ ہے وہی رہے گا)○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرامینِ مبارکہ کے ساتھ بھی اس امر کی تلقین فرمائی:

۱۔ عَنۡ إِبۡرَاهِيمَ بۡنِ عَبۡدِ الرَّحۡمَنِ بۡنِ عَوۡفٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمُوا الۡمَدِيۡنَةَ آخَى رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ بَيۡنَ عَبۡدِ الرَّحۡمَنِ وَسَعۡدِ بۡنِ الرَّبِيۡعِ. قَالَ لِعَبۡدِ الرَّحۡمَنِ: إِنِّي أَکۡثَرُ الأَنۡصَارِ مَالًا، فَأَقۡسِمُ مَالِي نِصۡفَيۡنِ، وَلِي امۡرَأَتَانِ، فَانۡظُرۡ أَعۡجَبَهُمَا إِلَيۡکَ فَسَمِّهَا لِي أُطَلِّقۡهَا، فَإِذَا انۡقَضَتۡ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجۡهَا. قَالَ: بَارَکَ اللهُ لَکَ فِي أَهۡلِکَ وَمَالِکَ، أَيۡنَ سُوۡقُکُمۡ؟ فَدَلُّوۡهُ عَلَى سُوۡقِ بَنِي قَيۡنُقَاعَ، فَمَا انۡقَلَبَ إِلَّا وَمَعَهُ فَضۡلٌ مِنۡ أَقِطٍ وَسَمۡنٍ...... (۲)

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب: المناقب، باب: إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۶۹

۲۔ ترمذي السنن، کتاب: البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في مواساة الأخ، ۴: ۳۲۸، رقم: ۱۹۳۳

’’ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں: جب صحابہ کرام مدینہ تشریف لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع کے درمیان اخوت قائم کر دی۔ سعد بن الربیع نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں سو میں اپنا مال نصف نصف (اپنے اور تمہارے درمیان) تقسیم کرتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں۔ تمہیں ان میں سے جو زیادہ پسند ہو مجھے اس کا نام بتا دینا تو میں اسے طلاق دے دوں گا، پھر جب اس کی عدت پوری ہوجائے تو تم اس سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہلِ خانہ اور مال میں آپ کے لئے برکت فرمائے، (آپ مجھے یہ بتا دیں کہ) آپ کا بازار کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کو بنو قینقاع کے بازار کا راستہ سمجھا دیا، پھر جب وہ (بازار سے) واپس لوٹے تو ان کے پاس کچھ گھی اور پنیر تھا۔ ......‘‘

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُمَارِ أَخَاکَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ۔ (۱)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تُو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرنا اور (عزتِ نفس کو مجروح کرنے والا) اس کے ساتھ مزاح نہ کرنا اور اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ نہ کرنا جس کو تو نبھا

...... ۳۔ شافعي، المسند، ۱: ۲۴۶

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۷: ۲۳۶، رقم: ۱۴۱۴۰

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البر و الصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في المراء، ۴: ۳۵۹، رقم: ۱۹۹۵

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۳۴۰، رقم: ۸۴۳۱

۳۔ بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۱۴۲، رقم: ۳۹۴

۴۔ أصبهاني، حلیة الأولیاء، ۳: ۳۴۴

نہ سکے۔‘‘

۳۔ عَنْ أَبِي مُوْسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔(۱)

’’حضرت ابوموسیٰ (اَشعری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک (مضبوط) دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے، اور (اس بات کی وضاحت کے طور پر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں۔‘‘

(۱۳) خواتین کا احترام

قبل از اسلام عورت کو مال و جائیداد میں حصہ دار نہیں بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ عورت کو وراثت میں شامل کیا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔(۲)

’’اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآدب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۴۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب أجر الخازن إذا تصدق بإذن مولاه، ۵: ۷۹، رقم: ۲۵۶۰

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۸

مردوں کے عورتوں پر۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

استوصوا بالنّساء خیراً۔(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔‘‘

موجودہ دنیا اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے عورت کو مساوی حقوق دلوائے حالانکہ اگر حقائق کو مسخ نہ کیا جائے اور حقیقت پسندانہ انداز میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت مبارکہ نے سب سے پہلے عورت کو مظلومیت کی زنجیروں سے آزاد کرایا اور معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کا حق دیا۔

(۱۴) معاشی مساوات

اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات اور اسلام کے معاشی نظام کو دیکھا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسلام معاشی مساوات کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم کا سخت مخالف اور دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے کی نفی کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَآ اَفَآءَ اللهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم، ۳: ۱۲۱۲، رقم: ۳۱۵۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء، ۲: ۱۰۹۰، رقم: ۱۴۶۸

الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ط وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللهَ ط اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِO(۱)

’’جو (اموالِ فَے) اللہ نے (قُرَیظہ، نَضِیر، فِدَک، خَیبر، عُرَینہ سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول (ﷺ) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہیں اور (رسول ﷺ کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو المطّلب) کے لئے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں (یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے) اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی رسول ﷺ کی تقسیم و عطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہےO‘‘

دوسرے مقام پر قرآن میں اِرتکازِ دولت کی مذمت یوں بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO(۲)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںO‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں تک پہنچانے

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) التوبۃ، ۹: ۳۴

کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنّ رسول الله ﷺ نظر إلی رجل يصرف راحلته في نواحی القوم فقال النبيّ ﷺ: من کان عنده فضل ظهر فليعد به علی من لا ظهر له ومن کان له فضل زاد فليعد به علی من لا زاد له حتّی رأينا أن لا حق لأحد منّا في فضل۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی سواری کو ایک آبادی کی طرف موڑ رہا تھا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس زائد سواری کو اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس کھانے کو نہیں حتیٰ کہ ہم یہ خیال کرنے لگے کہ ہم میں سے کسی کو زائد مال پر کوئی اختیار نہیں۔''

(۱۵) علم و حکمت کا فروغ

اسلامی تہذیب کے بنیادی عناصر تشکیلی کی رو سے خلاق کائنات نے انسان کو نعمت وجود (تخلیق) سے نوازنے کے بعد سب سے پہلے ''علم الاسماء'' کی دولت سے مالا مال کیا اور یہ وہ دولت تھی جس سے ملائکہ بھی تہی دامن تھے۔ قرآن کہتا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝ (۲)

''اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے پھر انہیں فرشتوں

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

(۲) البقرة، ۲: ۳۱، ۳۲

کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو٭ فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے٭''

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے پہلے ہی دن سے ''عقلیت'' کی اہمیت پر زور دیا۔ قرآن اپنے مخاطبین سے عقل و خرد اور فہم و تدبر کے استعمال کا بار بار مطالبہ کرتا ہے۔ اَفَلا تعْقِلُوْنَ،[۱] اَفَلا يَتَدَبَّرُوْنَ،[۲] اور اَفَلا يَتَفَكَّرُوْنَ[۳] اس کی دعوت کا عام جز ہے۔ اسی معقولیت پسند تعلیم کا نتیجہ ہے کہ وہ کورانہ تقلید کو جو اُمم ماضیہ میں عام تھی، شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن پچھلی اُمتوں کے بارے میں کہتا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ۔[۴]

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا۔''

ان مدعیانِ علم و حکمت نے خدا کے بندوں کو اوہامِ باطل کا شکار بنا رکھا تھا جن کے بارِ گراں سے ان کی مضطرب انسانیت کچلی جا رہی تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا انسانیت پر بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو اپنے ہی نبی کی ذہنی غلامی سے آزاد کیا۔ قرآن کہتا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔[۵]

''اور ان سے ان کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے

(۱) البقرۃ، ۲: ۴۴

(۲) النساء، ۴: ۸۲

(۳) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۴) التوبۃ، ۹: ۳۱

(۵) الاعراف، ۷: ۱۵۷

باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ عطا کردہ تہذیب کی اساس ہی یہ تھی کہ وحیِ اِلٰہی کا آغاز ہی اِقْرَاْ کے ایجابی اَمر سے ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَo[1]

’’(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایاo‘‘

اور انسان پر معبود برحق کی سب سے بڑی نعمت یہ بتائی گئی کہ اس نے اس نادان کو دانائی سکھائی:

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُo الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْo[2]

’’پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہےo جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایاo جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھاo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے جس روایت علم وحکمت کی بنیادیں رکھیں اس نے پوری انسانیت کو متاثر کیا:

The Arabic culture is of a singular interest to the student of human traditions in general, to those whose greatest task it seems to them is the rebuilding of human integrity in the face of national

(۱) العلق، ۹۶: ۱

(۲) العلق، ۹۶: ۳، ۴، ۵

and international disasters, because it was, and to some extent still is, a bridge, the main bridge between East and West. It is through that bridge that the Hindu numerals, sines and chess, and the Chinese silk, paper, and porcelain reached Europe. Latin culture was Western, Chinese culture was Eastern, but Arabic culture was both, for it extended all the way from the Maghrib al-aqsa' to the Mashriq al-aqsa. Latin culture was Mediterranean and Atlantic, Hindu culture was bathed in the Indian Ocean, Far Eastern culture in the Pacific; the Arabic sailors, however, were as ubiquitous in all the oceans of the Middle Ages as the English are in those of to-day. The Latin and Greek cultures were Christian, Hebrew culture was Jewish, Eastern Asia was Buddhist; the Arabic culture was primarily but not exclusively Islamic; it was stretched out between the Christianism of the West and the Buddhism of the East and touched both.[1]

’’عربی کلچر کا مطالعہ انسانی روایات کے طالب علم کے لیے بالعموم اور ان کے لیے بالخصوص اہمیت کا حامل ہے جن کا سب سے بڑا کام قومی اور بین الاقوامی انتشار کے ماحول میں انسانی وحدت کی تشکیل کرنا ہے، کیونکہ عربی کلچر ماضی میں اور آج بھی مشرق اور مغرب میں رابطے کا بہت بڑا پل ہے۔ یہ وہ ہی پل تھا جس سے ہندو اعداد، جیبی تفاعل اور شطرنج اور چائنہ کا ریشم، کاغذ اور چینی مٹی یورپ پہنچے۔ لاطینی کلچر مغربی تھا، چینی کلچر مشرقی تھا لیکن عربی کلچر میں دونوں جمع

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 29.

تھے کیونکہ یہ مغرب الاقصیٰ سے مشرق الاقصیٰ دونوں تک پھیلا ہوا تھا۔ لاطینی کلچر بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس، ہندو کلچر، بحر ہند، مشرق بعید کا کلچر، بحر الکاہل تک محدود تھا۔ مگر عرب ملاحوں نے قرونِ وسطیٰ کے تمام سمندروں میں اپنے ڈیرے ڈالے جیسا کہ انگریز آج کے دور میں کر رہے ہیں۔ لاطینی اور یونانی کلچر عیسائی، عبرانی، کلچر یہودی، مشرقی ایشیا، بدھ مت تھا، جبکہ عربی کلچر بنیادی طور پر نہ کہ کلی طور پر اسلامی تھا۔ یہ مغرب کی عیسائیت سے لے کر مشرق کے بدھ مت تک پھیلا ہوا تھا اور دونوں کی قربت میں تھا۔‘‘

(۱۶) تجرباتی سائنس کا آغاز

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائیت، رہبانیت کی اور افلاطونیت عیش و عشرت کی تعلیم دے رہی تھی۔ اگر یہ دونوں رجحان اسی طرح پنپتے رہتے تو سائنس اور علم کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن اسلام نے ان رجحانات کی سمت تبدیل کر دی اور حصولِ علم اور انسانی قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لانے پر زور دیتے ہوئے موجودہ تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھی۔ مناظرِ فطرت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی اور اولادِ آدم کو بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کرنے کی طرف راغب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ۝ (۱)

’’بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۶۴

جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اﷲ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں o‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے سائنس سمیت ہر قسم کے علوم وفنون کے حصول پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها۔(۱)

’’حکمت (یعنی علم) مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں اسے پائے وہ اس کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق دار ہے۔‘‘

طلب العلم فريضة على كل مسلم۔(۲)

’’علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔‘‘

ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نے جدید سائنس اور انقلابات پر کس طرح گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، ۵: ۵۱، رقم: ۲۶۸۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب الحكمة، ۲: ۱۳۹۵، رقم: ۴۱۶۹

(۲) ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ۱: ۸۱، رقم: ۲۲۴

جن فضلاے روزگار نے اسلامی ثقافت کے فروغ میں حصہ لیا، ان کی تعداد حد و حساب سے باہر ہے لیکن ان میں سے جن اہلِ کمال نے فکرِ انسانی کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل کر لی ہے ان میں سے بعض مشاہیر کا گوشوارہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

منطق و فلسفہ

ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکندی، ابوالعباس احمد بن الطیب السرخسی، ابوزید احمد بن سہل البلخی، ابونصر الفارابی، ابوالحسن العامری، شیخ بوعلی سینا، ابوالعباس اللوکری، عمر الخیام، ابوالبرکات بغدادی، ابن ماجہ، ابن طفیل، ابن رشد، شہاب الدین سہروردی مقتول، امام فخر الدین رازی، محقق نصیر الدین طوسی، علامہ قطب الدین شیرازی، سراج الدین ارموی، افضل الدین خونجی، اثیر الدین امبری، نجم الدین کاتبی، محقق دوانی، مرزا جان شیرازی، میر باقر داماد، ملا صدر الدین شیرازی، ملا محمود جونپوری، میر زاہد ہروی، ملا محبّ اللہ بہاری۔

طب

علی بن ابن الطبری، ابوبکر محمد بن زکریا الرازی، علی بن العباس المجوسی، ابومنصور قمری، شیخ بوعلی سینا، ابن رضوان مصری، ابوالقاسم زہراوی، ابن زہر، علی بن عیسیٰ الکحال، ابن النفیس۔

ریاضی و ہندسہ

محمد بن موسی الخوارزمی، عباس بن سعید الجوہری، سند بن علی، بنوموسیٰ، علی بن عیسیٰ الماہانی، ابوالعباس فضل بن حاتم التبریزی، ابراہیم بن سنان، ابوکامل شجاع بن اسلم، ابوجعفر الخازن، ابوالوفاء البوزجانی، ابوسہل ویجن بن رستم الکوہی، ابونصر بن عراق، ابن الہیثم، ابوالجود، ابوبکر الکرخی، استاذ المختص ابوالحسن علی بن احمد انسوی، عمر خیام، ابوالفتح محمود

اصفہانی، محقق نصیر الدین طوسی، شمس الدین سمرقندی۔

ہیئت

محمد بن ابراہیم الفزاری، یعقوب بن طارق، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبدالملک المروزی، عباس بن سعید الجوہری، سند بن علی، الکندی، حبش الحاسب، ابومعشر البلخی، ابوحنیفہ الدینوری، جابر بن سنان البتانی، ابوالعباس فضل بن حاتم النیریزی، سلیمان بن عصمہ، عبدالعزیز الہاشمی، ابوجعفر الخازن، ابن الاعلم، کوشیار بن لبان، احمد بن عبدالجلیل السجزی، عبدالرحمٰن الصوفی، ابوسہل ویجن بن رستم الکوہی، ابوالوفاء البوزجانی، ابوحامد الصنعانی، ابومحمود الجندی، ابوالحسن علی بن احمد انسوی، ابونصر بن عراق، ابوریحان البیرونی، محمد بن احمد المعموری، عمر الخیام، ابوالفتح عبدالرحمٰن الخازن، ابن یونس (صاب الزیج الحاکمی) ،ابن الصفار، ابن السمح، الزرقیال، بہاء الدین ابومحمد الخرقی، محقق طوسی، قطب الدین شیرازی، محی الدین مغربی، محمود بن عمر الجغمینی، الغ بیگ، غیاث الدین کاشی، قاضی زادہ رومی، مولانا علاء الدین قوشجی، میرم چلپی، ملا فرید منجم، امام الدین ریاضی، مرزا خیر اللہ مہندس۔

جغرافیہ

ابن خردازبہ، ابن واضح الیعقوبی، ابوالحسن المسعودی، ابن رستہ، الجیہانی، ابن الفقیہ، ابن حوقل، المقدسی ابن حائک الہمدانی، الادریسی، ابوالفداء، البکری، یاقوت حمد اللہ مستوفی۔

تاریخ

ابن اسحاق، ابن ہشام، الواقدی، ابن سعد، المدائنی، الکلبی، البلاذری، ابوالحسن المسعودی، ابن قیتبہ، ابن جریر الطبری، ابوریحان البیرونی، ابن مسکویہ، ابن الاثیر، ابن کثیر،

www.MinhajBooks.com

ابوالفداء، ابن خلدون، عطا ملک جوینی، حمد اللہ مستوفی، رشید الدین فضل اللہ، ابن الندیم، قاضی صاعد اندلسی، شہرستانی، ابن القفطی، ابن ابی اُصیبعہ، ابوالحسن البیہقی، منہاج سراج جوزجانی، ضیاء الدین برنی، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، فرشتہ وغیرہم۔

الغرض یہ مسلمان سائنس دانوں کا اجمالی تذکرہ ہے جنہوں نے مختلف میدانوں میں علم و حکمت کے نئے آفاق متعارف کروائے:

Some of the giants of mediaeval times belonged to the Arabic culture, mathematicians and astronomers like AL-KHWARIZMI, ALFARGHANI, AL-BATTANI, ABU-L-WAFA, UMAR KHAYYAM, AL-BERUNI; philosophers like AL-FARABI, AL-GHAZZALI, IBN RUSHD, IBN KHALDUN, physicians like AL-RAZI, ISHAQ AL-ISRAILI,' ALI IBN 'ABBAS, ABU-AL-QASIM, IBN SINA, MAIMONIDES. This enumeration could be greatly extended. Few of these men were Arabs and not all of them were Muslims, but they all belonged essentially to the same cultural group, and their language was Arabic. This illustrates the absurdity of trying to appraise mediaeval thought on the basis of Latin writings alone. For centuries the Latin scientific books hardly counted; they were out-of-date and outlandish. Arabic was the international language of science to a degree which had never been equalled by another language before (except Greek) and has never been repeated since. It was the language not of one people, one nation, one faith, but of many peoples, many nations, many faiths.[1]

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 28.

’’قرون وسطیٰ کے کچھ بڑے علمی نام عالم عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریاضی دان اور ماہرین فلکیات مثلاً الخوارزمی، الفرغانی، البتانی، ابوالوفا، عمر خیام، البیرونی، فلاسفر مثلاً الفارابی، الغزالی، ابن الرشد، ابن خلدون، طبیب مثلاً الرازی، الاسرائیلی، علی ابن عباس، ابوالقاسم، ابن سینا، مامون۔ اس تعداد میں غیر معمولی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ عرب تھے لیکن سارے لوگ مسلمان نہیں تھے، لیکن ان سب کا تعلق ایک ہی ثقافتی گروہ سے تھا اور ان کی زبان عربی تھی۔ اس سے قرونِ وسطیٰ کی فکر کی صرف لاطینی تحریروں کی بنیاد پر وضاحت کرنے کی سطحیت اور مضحکہ خیزی واضح ہو جاتی ہے۔ صدیوں تک تو لاطینی سائنسی کتب بمشکل ہی کسی شمار میں تھیں وہ فرسودہ اور نامانوس تھیں۔ عربی سائنس کی بین الاقوامی زبان تھی، اس سے پہلے سوائے یونانی کے کوئی زبان اتنا مقام حاصل نہ کر سکی تھی اور نہ ہی اس کے بعد۔ یہ صرف کچھ لوگوں، ایک قوم، یا ایک عقیدے کی زبان نہ تھی بلکہ کئی لوگوں، کئی قوموں اور کئی عقیدوں کی زبان تھی۔‘‘

لیکن یہ حضرات محض عالم ہی نہیں تھے بلکہ جید مفکر بھی تھے، جن کی دقت نظر اور جدت فکر نے علم وحکمت کے ذخیرے میں بیش بہا اضافے کیے:

The best Arabic scientists were not satisfied with the Greek and Hindu science which they inherited. They admired and respected the treasures which had fallen into their hands, but they were just as "modern" and greedy as we are, and wanted more. They criticized EUCLID, APOLLONIOS and ARCHIMEDES, discussed PTOLEMY, tried to improve the astronomical tables and to get rid of the causes of error lurking in the accepted theories. They facilitated the evolution of algebra and trigonometry

and prepared the way for the European algebraists of the sixteenth century. Occasionally they were able to define new concepts, to state new problems, to tie new knots in the network of earlier traditions. (1)

’’بہترین عرب سائنس دان اس یونانی اور ہندو سائنس سے مطمئن نہ تھے جو انہیں ورثے میں ملی تھی۔ انہوں نے ملنے والے اس علمی خزانے کی تعریف اور احترام کیا لیکن وہ اتنے ہی جدید اور علم کے لیے حریص تھے جتنے کہ آج ہم ہیں اور وہ مزید (علم) بھی چاہتے تھے انہوں نے اقلیدس، اپولونیس اور ارشمیدس پر تنقید کی، بطلیموس کو زیر بحث لائے، فلکیاتی جدولوں کو بہتر کرنے کی کوشش کی اور مقبول اور مروج نظریات میں جا بجا موجود غلطیوں کے اسباب کو دور کیا۔ انہوں نے الجبراء اور تکونیات کے ارتقاء کو ممکن بنایا اور سولہویں صدی کے یورپین ماہرین الجبراء کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اکثر و بیشتر وہ اس قابل تھے کہ انہوں نے نئے تصورات پیش کیے، نئے مسائل سامنے لائے اور پہلے سے موجود روایات کی تسلسل میں نئی گرہیں لگائیں۔‘‘

ایک مغربی مصنف لکھتا ہے:

’’عربوں (مسلمانوں) نے سائنس میں واقعی بڑے کمالات حاصل کیے۔ انہوں نے صفر کا استعمال (یا ترقیم اعداد کا طریقہ) سکھایا، اگرچہ انہوں نے اسے ایجاد نہیں کیا تھا اور اس طرح وہ روزانہ زندگی کے علم الحساب کے بانی بن گئے۔ انہوں نے علم الجبر والمقابلہ کو ایک تحقیقی علم بنا دیا اور اسے بہت زیادہ ترقی دی۔ انہوں نے تحلیلی ہندسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 28.

علم المثلثات المستویہ اور علم المثلثات الکرویہ کے بانی تھے جو صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کے زمانے سے پہلے وجود ہی میں نہیں آئے تھے۔ علم الھیئت میں انہوں نے قیمتی مشاہدات کیے۔‘‘(۱)

طب کے اندر چھ صدیوں تک شیخ بو علی سینا کی ’’کتاب القانون‘‘ یورپی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہی۔ اس سے پہلے علی بن العباس المجوسی کی ’’کامل الصناعۃ‘‘ کا رواج تھا۔ ان کے علاوہ ابو بکر بن زکریا الرازی کی بہت سی طبی تصانیف وہاں مروج تھیں۔

(۱۷) مبنی بر حقائق فکری روایت کا آغاز

علمی دنیا میں مسلمانوں نے حقائق کی تلاش اور دریافت پر علمی روایت کی بنیاد رکھی۔ یونانی منطق میں صرف قیاس (Syllogism) کو اہمیت دی جاتی تھی۔ استقراء (Induction) اور تمثیل (Analogy) کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر منطق کے مسلمان نقادوں نے ’’استقراء‘‘ کی اہمیت پر بھی زور دیا اور فقہائے کرام نے ’’تمثیل‘‘ کے مباحث کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ طب میں ’’دوران خون‘‘ کے نظریہ کا انکشاف ولیم ہاروے کا کارنامہ بتایا جاتا ہے مگر اس کا شرف ابن النفیس کو پہنچتا ہے۔ ہیئت میں گردش ارضی کے نظریے کا انتساب کوپرنیکس کی جانب کیا جاتا ہے مگر آج سے ایک ہزار سال پہلے اس نظریہ کا سرگرم علمبردار احمد بن عبدالجلیل السجزی تھا جس نے اپنا اصطرلاب ہی اس اصول پر بنایا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ قمر کے اختلاف ثالث کی دریافت کا شرف ٹیکو برہے کو دیا جاتا ہے مگر اس کا مستحق ابوالوفاء البوزجانی ہے۔

اقلیدس کے خطوط متوازی کے مصادرہ (Parallel Postulate) کا وہ بدل جو پلے فیر کے علوم متعارفہ (Playfair's Axiom) کے نام سے موسوم ہے ایک انگریز ہندسہ دان پلے فیر کی دریافت بتایا جاتا ہے، جسے اس نے اپنے ’’اصولِ اقلیدس‘‘ کے ایڈیشن مرتّبہ

(1) Arnold, *Legacy of Islam*, p. 375.

۱۷۹۵ء میں لکھا تھا۔ مگر سب سے پہلے ابن الہیثم نے اسے دریافت کیا تھا۔ اس نے پلے فیر سے آٹھ سو سال قبل اس حقیقت کو پا لیا تھا اور پلے فیر سے کوئی ساڑھے پانچ سو سال قبل محقق طوسی نے اپنے ''الرسالة الشافية'' میں اس کو بالتصریح ابن الہیثم کی طرف منسوب کیا تھا۔ پلے فیر کا علوم متعارفہ حسبِ ذیل ہے:

Two intersecting straight lines cannot be parallel to one and the same.

اور بعینہٖ یہی الفاظ ابن الہیثم کے ہیں:

الخطان المستقيمان المتقاطعان لا يوازيان خطاً واحداً مستقيما.

''ایک دوسرے کو کاٹنے والے دو خط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے۔''

مثلث کے رقبہ کا ضابطہ جو تمام ارضی مساحت (Geodetic Survey) کی بنیاد ہے یعنی:

Area of ABC=S(S-a)(S-b)(S-c)

Where S= a+b+c/2

اس ضابطہ کے دریافت کنندہ کا نام معلوم نہیں لیکن مغرب کے تفوق کے نتیجے میں اسے ایرن اسکندرانی کی دریافت بتا دیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ عہدِ اسلام کے مسلمان مہندسوں کے ایک مشہور خاندان کی دریافت ہے جو تاریخ میں بنو موسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ بنو موسیٰ نے ہندسی مسائل پر ایک رسالہ بعنوان ''رسالہ فی ساحۃ الکرہ'' لکھا تھا۔ اس کے اندر جن مسائل کے باب میں انہوں نے متقدمین میں سے کسی کی خوشہ چینی کی تھی۔ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کی صراحت کر دی ہے اور جن کے باب میں وہ کسی کے رہین منت نہیں ہیں۔ ان کی بھی تصریح کر دی ہے۔ مثلث کے رقبہ کا ضابطہ بھی ان کی تصریح کے مطابق انہیں کی دریافت ہے۔

علم المثلثات الکرویہ کا مشہور ضابطہ

Sine A/a=Sine B/b= Sine C/c

اس نے بطلیموس کی ’’شکل القطاع‘‘ کے پیچیدہ اعمال سے مہندسین کو بے نیاز کر دیا تھا۔ نیپیر کی جانب منسوب کر کے Napier's Analogy کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ مسلمان مہندس ابوالوفاء البوزجانی یا ابونصر بن عراق (استاد ابو ریحان البیرونی) کی دریافت ہے۔

(۱۸) تصورِ کائنات کی اصلاح

حضور نبی اکرم ﷺ سے قبل انسانیت کا تصورِ کائنات توہمات اور مغالطّوں پر مشتمل تھا۔ فطرت و مظہر انسان کا معبود تھا مگر آپ ﷺ نے اس تصور کو کلیتاً بدل دیا اور اہل ایمان کو کائنات کی پرستش کرنے کی بجائے اس کی تسخیر کرنے کی تعلیم دی۔

آپ سے قبل مشرک اقوام کا یہ حال تھا کہ وہ مظاہر کائنات کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے جاتے تھے اور جو کچھ اتفاق سے مل جاتا تھا اسے مزعومہ دیوتاؤں کی دین سمجھتے تھے اور جو کچھ نہ ملتا تھا اسے ان کے قہر و غضب کا نتیجہ گردانتے تھے۔ چنانچہ جب سکندر بحری سفر پر روانہ ہوا تو سمندر کے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک سانڈ کی قربانی دی۔ لیکن اس کے برعکس اسلام اپنے پیروؤں کی بار بار ہمت افزائی کرتا ہے کہ وہ عالم طبیعی کو مسخر کر کے اس پر حکمرانی کریں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ (۱)

’’(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۰

اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo(۱)

’’اللہ ہی ہے جِس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اُس میں جہاز اور کشتیاں چلیں اور تاکہ تم (بحری راستوں سے بھی) اُس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کر سکو، اور اس لئے کہ تم شکر گزار ہو جاؤo‘‘

پھر فرمایا:

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَo(۲)

’’اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے، بیشک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیںo‘‘

(۱۹) سائنسی علوم کا فروغ

حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو وہ ضابطہ حیات عطا فرمایا جو بنی نوع انسان کو فلاحِ دارین کا راستہ عطا کرتا ہے۔ لہٰذا جہاں وہ اُخروی زندگی میں فلاح و نجاح کی تدبیریں سکھاتا ہے وہیں انہیں اپنی دنیوی زندگی کو بنانے، سنوارنے کی بھی تعلیم دیتا ہے کیونکہ اسلامی تصورِ زندگی میں ان دونوں زندگیوں میں کوئی منافاۃ یا

(۱) الجاثیۃ، ۴۵: ۱۲

(۲) الجاثیۃ، ۴۵: ۱۳

تضاد نہیں بلکہ ’’دنیا آخرت کی کھیتی ہے‘‘[1] اور دنیوی زندگی کی اصلاح و ترقی ’’تمتع بالکائنات‘‘ کا دوسرا نام ہے جس کی قرآن بار بار ہدایت کرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔[2]

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔‘‘

اسی تسخیر کائنات کے حکم خداوندی کی بجا آوری کا جذبہ اسلامی فکر میں مختلف علوم وفنون کے پیدا ہونے کا سب سے قوی عامل ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن تفصیل کے ساتھ فطرت کے مختلف مظاہر کے مطالعہ کی تاکید کرتا ہے۔ تمام علوم طبیعی کا سنگ بنیاد مطالعہ فطرت ہے اور قرآن حکیم بار بار اس پر زور دیتا ہے۔ وہ ایجابی طور پر اپنے متبعین کو مامور کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کا مشاہدہ کریں، کیوں کہ ان میں سوچنے اور سمجھنے والوں کی رہنمائی کے لیے نشانیاں ظاہر و باہر ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○[3]

’’فرما دیجئے: تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں، اور (یہ) نشانیاں اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والے (پیغمبر) ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ○‘‘

یہی نہیں بلکہ وہ اس فریضے سے پہلوتہی کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتا ہے:

اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۲۳۰

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۳) یونس، ۱۰: ۱۰۱

شَیۡءٍ وَّاَنۡ عَسٰٓی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ○ (۱)

’’کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور (علاوہ ان کے) جو کوئی چیز بھی اللہ نے پیدا فرمائی ہے (اس میں) نگاہ نہیں ڈالی (اور غور نہیں کیا) اور اس میں کہ کیا عجب ہے ان کی مدت (موت) قریب آ چکی ہو، پھر اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے○‘‘

اسلام کے نظریہ حیات میں تکمیل ایمان ’’ایمان بالآخرۃ‘‘ پر موقوف ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے تخلیقِ کائنات کا مطالعہ اور اس مطالعے کے لیے سیر و سیاحت ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے:

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنۡشِیءُ النَّشۡاَۃَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ○ (۲)

’’فرما دیجئے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لئے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر (ارتقاء کے مراحل سے گزارتا ہوا) نشو ونما دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘

اور اس فریضے کی بجا آوری میں کوتاہی کرنے والوں سے وہ باز پرس کرتا ہے:

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ○ (۳)

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۸۵

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۲۰

(۳) العنکبوت، ۲۹: ۱۹

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا (یعنی غور نہیں کیا) کہ اللہ کس طرح تخلیق کی ابتداء فرماتا ہے پھر (اسی طرح) اس کا اعادہ فرماتا ہے۔ بیشک یہ (کام) اللہ پر آسان ہےo‘‘

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ فلکیات کا مطالعہ ملت اسلامیہ کا مقدس ترین ورثہ ہے، اسی نے ’’سب سے پہلے مسلمان یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی چشم جہاں بیں کو نور توحید سے روشن کیا، بقول اقبال:

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہان بین خلیل

ارشادِ ربانی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا‌ ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَo فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَٮِٕنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَo فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡۤءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَo اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا‌ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَo(۱)

’’پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کر دیا تو انہوں نے (ایک) ستارہ دیکھا (تو) کہا (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتاo پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غائب ہو گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا رب

(۱) الأنعام، ۶: ۷۶۔۷۹

مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور (تمہاری طرح) گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا○ پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے؟ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو بول اٹھے اے لوگو! میں ان (سب چیزوں) سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک گردانتے ہو○ بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں○''

اس لیے قرآن خصوصیت سے اجرام فلکی کے مشاہدے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یہ مطالعہ انسان ہی کے فائدے کے لیے ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ○(۱)

''وہی ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو، اور اللہ نے یہ (سب کچھ) نہیں پیدا فرمایا مگر درست تدبیر کے ساتھ، وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں○''

چنانچہ جب آیۂ کریمہ ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ○﴾(۲) ''بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و

(۱) یونس، ۱۰: ۵

(۲) آل عمران، ۳: ۱۹۰

روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیںo'' کا نزول ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ویل لمن لاکھا بین لحیتیه ولم یتفکر فیھا۔[۱]

''تباہی ہے اس کے لیے جو اس آیت کریمہ کی منہ سے تلاوت کرتا ہے مگر اس کے معانی ومفہوم پر غور نہیں کرتا۔''

اور یہ رجحان علمائے دین میں آخر تک قائم رہا، چنانچہ امام غزالی کا ارشاد ہے:

من لم یعرف الھیئة والتشریح فھو عنین فی معرفة اللہ تعالیٰ۔[۲]

''جو شخص علم الہیت اور علم التشریح نہیں جانتا وہ معرفتِ باری تعالیٰ میں ناقص ہے۔''

امام غزالی کے معاصر مقدم حکیم ابوالحسن الزبیری تھے جو مشہور فلسفی عمر خیام کے استاد تھے۔ ایک دن وہ عمر خیام کو ہیئت کی مشہور کتاب ''المجسطی'' پڑھا رہے تھے۔ ایک فقیہ وہاں سے گزرے اور استاد سے پوچھا: کیا پڑھا رہے ہو؟ حکیم ابوالحسن نے جواب دیا: آیۂ کریمہ - ﴿اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَھُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنۡ فُرُوۡجٍ﴾[۳]- کی تفسیر بیان کر رہا ہوں۔

اسی طرح قرآن دیگر طبیعاتی علوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَo وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَo وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّھَارِ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۴۱
(۲) امام الدین الریاضی، التصریح فی شرح التشریح: ۲۰
(۳) قٓ، ۵۰: ۶

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○[1]

’’بیشک آسمانوں اور زمین میں یقیناً مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں○ اور تمہاری (اپنی) پیدائش میں اور اُن جانوروں میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے، یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں○اور رات دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور (بصورتِ بارش) اُس رِزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس سے زمین کو اُس کی مُردنی کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور (اسی طرح) ہواؤں کے رُخ پھیرنے میں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل و شعور رکھتے ہیں○‘‘

قرآن کہتا ہے کہ مظاہر کائنات میں معرفت باری تعالٰی کی نشانیوں کے علاوہ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اور بھی کچھ ہے کیونکہ کائنات و مافیہا ان کی میراث ہے، اس لیے انہیں اس کی تسخیر کا طریقہ جاننا چاہیے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ○[2]

’’اور اُسی نے زمین کو اِس (ستارے۔سورج کے وجود میں آ جانے) کے بعد (اِس سے) الگ کر کے زور سے پھینک دیا (اور اِسے قابلِ رہائش بنانے کے لئے بچھا دیا)○ اسی نے زمین میں سے اس کا پانی (الگ) نکال لیا اور (بقیہ خشک قطعات میں) اس کی نباتات نکالیں○ اور اسی نے (بعض مادوں کو باہم ملا کر) زمین سے محکم پہاڑوں کو ابھار دیا○ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے (کیا)○‘‘

(۱) الجاثیۃ، ۴۵: ۳-۵

(۲) النازعات، ۷۹: ۳۰-۳۳

لہٰذا انسان کو ’’تمتع بالکائنات‘‘ کے ساتھ اس عملِ الٰہی پر بھی نظر رکھنی چاہیے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ ۝(۱)

’’پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے) ۝‘‘

وہ مظاہر کائنات کے ساتھ حیاتِ حیوانی کے مطالعے پر بھی زور دیتا ہے، کیونکہ یہی اسلام کے مقصد بعثت کی تکمیل کا صحیح راستہ ہے اور اسی کی مدد سے ایمان تک رسائی ہوتی ہے۔

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ۝(۲)

’’(منکرین تعجب کرتے ہیں کہ جنت میں یہ سب کچھ کیسے بن جائے گا تو) کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (عجیب ساخت پر) بنایا گیا ہے؟‘‘

اسی طرح وہ تاریخ طبیعی (Natural History) اور حیوانیات (Zoology) کے مطالعے پر آمادہ کرتا ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ ۚ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی رِجۡلَیۡنِ ۚ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰۤی اَرۡبَعٍ ؕ یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝(۳)

’’اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے (جاندار) کی پیدائش (کی کیمیائی ابتداء) پانی سے فرمائی، پھر ان میں سے بعض وہ ہوئے جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں

(۱) عبس، ۸۰: ۲۴
(۲) الغاشیہ، ۸۸: ۱۷
(۳) النور، ۲۴: ۴۵

اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا رہتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

ایک اور مقام پر وہ حیوانات کے عضویاتی (Physiological) مطالعے کی ہمت افزائی کرتا ہے:

وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَo(1)

’’اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) مقامِ غور ہے، ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود میں آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لئے فرحت بخش ہوتا ہےo‘‘

دوسری جگہ وہ اڑنے والی مخلوق کے تحقیقی مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے:

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَھُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ مَا یُمۡسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۢ بَصِیۡرٌo(2)

’’کیا اُنہوں نے پرندوں کو اپنے اُوپر پر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے نہیں دیکھا؟ اُنہیں (فضا میں گرنے سے) کوئی نہیں روک سکتا سوائے رحمان کے (بنائے ہوئے قانون کے)، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہےo‘‘

طبیعی علوم کے ساتھ قرآن عقلی علوم کی تحصیل کا بھی حکم دیتا ہے اور علم کلام اور

(1) النحل، ١٦: ٦٦

(2) الملك، ٦٧: ١٩

مناظرہ ومباحثہ کی رغبت دلاتا ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔[1]

''اور اُن سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔''

فلسفے کے لیے وہ ''حکمت'' کو زندگی کی قدرِ اعلیٰ (خیر کثیر) کا مصداق بتاتا ہے:

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ○[2]

''اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں○''

جہاں تک منطق کا تعلق ہے، خود قرآن کریم کا پیرایۂ بیان اذعانی کے بجائے برہانی ہے اور علم البرہان کے ان قواعد و قوانین کی مراعاۃ پر مشتمل ہے جو فطرت انسانی کے مطالعے سے آج تک دریافت ہوئے ہیں یا آئندہ دریافت ہوں گے جیسا کہ وہ خود کہتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ط اِنَّ اللهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ○[3]

''بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں، اور

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۵
(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۹
(۳) الحدید، ۵۷: ۲۵

ہم نے (معدنیات میں سے) لوہا مہیّا کیا اس میں (آلاتِ حرب و دفاع کے لئے) سخت قوّت اور لوگوں کے لئے (صنعت سازی کے کئی دیگر) فوائد ہیں اور (یہ اس لئے کیا) تاکہ اﷲ ظاہر کر دے کہ کون اُس کی اور اُس کے رسولوں کی (یعنی دینِ اسلام کی) بِن دیکھے مدد کرتا ہے، بیشک اﷲ (خود ہی) بڑی قوت والا بڑے غلبہ والا ہے o‘‘

علمائے ربانی نے اس ’’میزانِ قرآنی‘‘ سے استنباط کر کے علم و معرفت کی میزانیں مقرر کی ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ آیۂ کریمہ - **وزنوا بالقسطاس المستقیم**[(۱)]- جس میں **قسطاس مستقیم** کا ذکر کیا گیا ہے، کی تشریح میں لکھتے ہیں:

’’وہ موازین پنج گانہ ہیں جنہیں اﷲ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کو ان سے ’’وزن کرنا‘‘ سکھایا۔ پس جس نے رسول اﷲ ﷺ سے سیکھا اور اﷲ تعالیٰ کی میزان سے وزن کیا تو اس نے ہدایت پائی اور جو اس سے گمراہ ہو کر رائے اور قیاس میں بھٹک گیا، وہ گمراہ ہو گیا۔‘‘[(۲)]

قرآن اپنے متبعین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اعمال و افکار میں ان قرآنی میزانوں سے کام لیں۔ اس راست اندیشی اور ’’استقامت فی الفکر‘‘ سے بھٹکنے کو وہ ممنوع قرار دیتا ہے:

اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ o[(۳)]

’’اور اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور (اسی نے عدل کے لئے) ترازو قائم کر رکھی ہے o‘‘

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۵

(۲) غزالی، قسطاس المستقیم مشموله الجواهر الغوالی من رسائل امام الغزالی:۱۵۷

(۳) الرحمٰن، ۵۵: ۷

اس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بحث ونظر اور افہام وتفہیم کو اسلامی معاشرے میں شروع ہی سے مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کا فطری نتیجہ تھا کہ اکابر علمائے اسلام شروع سے منطق سے واقفیت پر زور دیتے رہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ ''مقاصد الفلاسفة'' میں فرماتے ہیں:

وأما المنطقيات فأكثرها على نهج الصواب والخطاء نادر فيها۔(۱)

''رہے منطقی مباحث تو ان میں سے اکثر صحیح و صائبہ ہوتے ہیں اور ان میں غلطی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔''

یہی نہیں بلکہ حصول سعادت اور تزکیہ روح کے لیے بھی وہ منطق کو ایجابی طور پر ضروری سمجھتے ہیں:

''پس منطق کا فائدہ حصول علم ہے اور علم کا فائدہ ابدی سعادت کا حصول ہے پس جبکہ یہ بات صحیح ہے کہ سعادت کمال نفس طرف تزکیہ وتحلیہ ذات ہی کے ساتھ رجوع ہوتی ہے تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ منطق بڑے فائدے کی چیز ہے۔''(۲)

امام غزالیؒ سے پہلے ابن حزم اندلسی نے ارسطا طالیسی منطق کے متعلق لکھا تھا:

''اور وہ کتابیں جنہیں ارسطو نے حود کلام میں جمع کیا ہے، وہ سب کی سب مکمل کتابیں ہیں جو اللہ ﷻ کی توحید اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور تمام علموں کی جانچ پڑتال میں بہت زیادہ مفید ہیں۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات اور قرآن حکیم کا اثر تھا کہ اسکے زیر اثر اسلامی تہذیب علم وحکمت افزاء تہذیب کے طور پر نمو پذیر ہوئی۔ جس نے علم وحکمت

(۱) غزالی، مقاصد الفلاسفة: ۳
(۲) غزالی، مقاصد الفلاسفة: ۳

اور سائنس وٹکنالوجی کے ہر میدان میں نئے آفاق متعارف کروائے۔

(۲۰) دین و دنیا کا حسین امتزاج

دورِ نبوی میں مدینہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتی۔ دین اور دنیا کے معاملات کو کچھ اس طریقے سے سلجھایا گیا کہ نہ تو دینی مصروفیات دنیاوی ضروریات میں حائل ہوں اور نہ دنیاوی تقاضے ہی دین پر غالب آئیں بلکہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے روحانی انہماک اور شب و روز کی عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ دنیاوی مہمات کو بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ الغرض آپ ﷺ کی نشست و برخاست، اخلاق و کردار اور شب و روز دنیا کے سامنے آپ ﷺ کو ایک بے مثل ہستی اور صاحبِ اُسوۂ حسنہ بنا دیا جس پر چل کر انسان اپنی منزل مقصود کو بہت آسانی سے پا سکتا ہے۔

اسلام صرف ایک مذہب نہیں، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو شاندار تہذیب اور ثقافتی اقدار کا حامل ہے۔ قرآن حکیم اور سیرت مبارکہ میں اس پہلو کو پوری جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

۱۔ وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰکَ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَo[(۱)]

’’اور تو اس (دولت) میں سے جو اللہ نے تجھے دے رکھی ہے آخرت کا گھر طلب کر، اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بیشک اللہ فساد

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷

بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○‘‘

۲۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَـلَا تَعْقِلُوْنَ○(۱)

’’اور دنیوی زندگی (کی عیش و عشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے○‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○(۲)

’’اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو○ پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○ اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو (اپنی حاجت مندی اور معاشی تنگی کے باعث) اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑے چھوڑ گئے، فرما دیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور

(۱) الأنعام، ۶: ۳۲

(۲) الجمعة، ۶۲: ۹۔۱۱

تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہےo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ أکثر الصلاۃ في بیتک یکثر خیر بیتک، وسلّم علی من لقیت من أمّتي تکثر حسناتک۔ (۱)

’’اپنے گھر میں بھی نماز پڑھ اس سے تیرے گھر کی برکت میں اضافہ ہو گا اور میری امت میں سے جسے تو ملے اسے سلام کر اس سے تیری نیکیوں میں اضافہ ہو گا۔‘‘

۲۔ أکرموا بیوتکم ببعض صلاتکم ولا تتخذوھا قبورًا. (۲)

’’اپنے گھروں کو نمازوں سے سجاؤ اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔‘‘

۳۔ لا تجعلوا بیوتکم مقابر، إنّ الشّیطان ینفر من البیت الّذي تقرأ فیه سورۃ البقرۃ۔ (۳)

’’اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔‘‘

(۱) بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۲۷، رقم: ۸۷۶۰

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۱: ۳۹۳، رقم: ۱۵۳۴

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب، ۱: ۵۳۹، رقم: ۷۸۰

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ وآیة الکرسي، ۵: ۱۵۷، رقم: ۲۸۷۷

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۱۳، رقم: ۸۹۱۵

۴۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۲: ۴۵۴، رقم: ۲۳۸۱

۴۔ **إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده فليجعل لبيته نصيبًا من صلاته، فإنّ الله تعالى جاعل في بيته من صلاته خيرًا۔**(۱)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی مسجد میں نماز پڑھ لے تو اپنی نمازوں کا کچھ حصہ اپنے گھر پڑھنے کے لیے بھی رکھ لے کیونکہ اللہ تعالی اس کی نمازوں کی وجہ سے اس کے گھر میں برکت فرما دیتا ہے۔''

۵۔ **أما صلاة الرجل في بيته فنور، فنوّروا بيوتكم۔**(۲)

''گھر کی نماز ایک نور ہے تم گھروں کو روشن کیا کرو۔''

۶۔ **ما من خارج يخرج إلّا بابه رأيتان: رأية بيد ملک، ورأية بيد شيطان، فإن خرج فيما يحب الله تعالى تبعه الملک برأيته، فلم يزل تحت رأية الملک حتّى يرجع إلى بيته، وإن خرج فيما يسخط الله تبعه الشيطان برأيته، فلم يزل تحت رأية الشيطان حتى يرجع إلى بيته۔**(۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة، ۱: ۵۳۹، رقم: ۷۷۸

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۶: ۲۳۷، رقم: ۲۴۹۰

۳۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۶: ۲۳۷، رقم: ۱۲۰۶

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۴

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في التطوع في البيت، ۱: ۴۳۷، رقم: ۱۳۷۵

۲۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۱: ۱۷۱، رقم: ۶۳۷

۳۔ حسيني، البيان والتعريف، ۱: ۱۶۱، رقم: ۴۲۸

(۳) طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۹۹، رقم: ۴۷۸۶

’’کوئی گھر سے باہر نکلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دو جھنڈے ہوتے ہیں: ایک جھنڈا فرشتے کے ہاتھ میں اور دوسرا جھنڈا شیطان کے ہاتھ میں۔ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر گھر سے باہر نکلا تو فرشتے کے جھنڈے تلے رہے گا جب تک وہ گھر میں واپس نہیں لوٹ آتا اور اگر وہ ایسے کام کے لیے نکلا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے تو شیطان جھنڈا لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلے گا اور وہ اس وقت تک شیطان کے جھنڈے تلے رہے گا جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں لوٹ آتا۔‘‘

۷۔ **لعن اللہ من بدا بعد هجرة، ولعن اللہ من بدا بعد هجرة إلّا في الفتنة، فإن البدو في الفتنة خير من المقام فيها۔**[1]

’’اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا اور اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا سوائے فتنہ کے دنوں میں پس فتنہ کے دنوں میں بداوت کی زندگی فتنہ میں قائم رہنے سے بہتر ہے۔‘‘

۸۔ **العلماء أمناء الرسل علی عباد اللہ ﷻ ما لم یخالطوا السلطان ویداخلوا الدنیا فإذا خالطوا السلطان وداخلوا الدنیا فقد خانوا الرسل فاحذروهم واخشوهم۔**[2]

’’علماء کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے امین (اور حفاظت دین کے ذمہ دار) ہیں۔ بشرطیکہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پس انداز

(۱) ۱۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۲۵۴
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲: ۲۵۶، رقم: ۲۰۷۴

(۲) ۱۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۷۵، رقم: ۴۲۱۰
۲۔ هندي، کنز العمال، ۵: ۲۱۶

کرتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر وشکر ہو گئے اور دنیا میں گھس گئے تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ پھر ان سے بچو اور ان سے ڈرو۔‘‘

اسلام میں دین و دنیا کی وحدت زندگی کا وہ تصور ہے جس کی اہمیت سے آج تک مغربی ذہن کماحقہ آشنا نہیں ہوا۔ دین کو دنیا کی کامیابی کے لئے رکاوٹ تصور کرنے والی مغربی فکر اس امر کو تسلیم کرنے میں آج بھی مشکل کا شکار ہے کہ دین کے ساتھ اسلام نے دنیا کی کامیابی کس طرح حاصل کی:

For Islam did succeed in becoming the universal church of a dissolving Syriac Society in spite of having been politically compromised at an earlier stage and in an apparently more decisive way than any of the religions that we have passed in review up to this point. Indeed, Islam was politically compromised within the lifetime of its founder by the action of no less a person than the founder himself. The public career of the Prophet Muhammed falls into two sharply distinct and seemingly contradictory chapters. In the first he is occupied in preaching a religious revelation by methods of pacific evangelization; in the second chapter he is occupied in building up a political and military power and in using this power in the very way which, in other cases, has turned out disastrous for a religion that takes to it. In this Medinese chapter Muhammed used his new-found material power for the purpose of enforcing conformity with at any rate the outward observances of the religion which he had founded in the previous chapter of his career, before his

momentous withdrawal from Mecca to Medina. On this showing, the Hijrah ought to mark the date of the ruin of Islam and not the date since consecrated as that of its foundation. How are we to explain the hard fact that a religion which was launched on the world as the militant faith of a barbarian war-band should have succeeded in becoming a universal church, in spite of having started under a spiritual handicap that might have been expected, on all analogies, to prove prohibitive?(1)

’’اسلام تباہ ہوتے ہوئے شامی معاشرے کا آفاقی مذہبی ادارہ بننے میں کامیاب ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ اس نے اپنے ابتدائی مرحلے پر پہلے ذکرکردہ تمام مذاہب کی نسبت واضح طور پر سیاسی ساز باز کر لی تھی۔ بلاشبہ اسلام نے اپنے بانی ہی کی زندگی میں سیاسی سازگاری کو اختیار کرلیا تھا۔ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی عوامی زندگی واضح طور پر دو مختلف اور ظاہراً متضاد حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے میں وہ پرسکون طریقے سے مذہبی تعلیمات کی تبلیغ کر رہے تھے اور دوسرے حصے میں سیاسی اور عسکری طاقت کی تعمیر کر رہے تھے اور اس طاقت کو مؤثر طریقے سے استعمال کر رہے تھے جو عام طور پر، دوسری صورتوں میں مذہب کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی تھی۔ مدنی زندگی کے دوران محمد ﷺ نے اپنی نئی تشکیل کردہ مادی طاقت کو اپنی مذہبی تعلیمات سے عملی نفاذ کے لئے جن کا وہ پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل ابلاغ کر چکے تھے، استعمال کیا۔ اس منظرنامے کے مطابق تو ہجرت کو اسلام کے زوال کا نشان ہونا چاہیے تھا نہ کہ اس کے مقدس آغاز کا نشان۔ ہم اس مشکل ترین حقیقت کی کس طرح وضاحت کریں کہ ایک

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 488.

ایسا مذہب جو دنیا میں قبائلی جنگی گروہ کے ایک جنگجو عقیدے کے طور پر شروع ہوا کس طرح سے آفاقی مذہبی ادارہ بننے میں کامیاب ہوا باوجودیکہ یہ مذہب ایک ایسی روحانی دشواری اور رکاوٹ کے تحت شروع ہوا جس کے تحت اپنی تمام تر سابقہ مثالوں کے مطابق اس کی پیش رفت غیر متوقع تھی۔‘‘

(۲۱) تہذیبی شناخت کا تحفظ

حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک تہذیب کی بنیاد ہی نہ رکھی جس کو اسکے بقاء دوام اور تسلسل کے لئے آپ نے تہذیبی شناخت کے تحفظ پر زور دیا ہے اور دنیا کی مختلف تہذیبوں کے مقابل اسلام کی الگ شناخت کو قائم رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ يا معشر الأنصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب، قال: فقلنا: يا رسول الله، إنّ أهل الكتاب يتسرولون ولا يأتزرون، فقال رسول الله ﷺ: تسرولوا واتزروا وخالفوا أهل الكتاب۔(۱)

’’اے گروہ انصار! سرخ اور زرد رنگ میں رنگے جاؤ مگر اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ راوی بیان کرتے ہیں پس ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک اہلِ کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہ بند نہیں باندھتے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: شلوار بھی پہنو اور تہہ بند بھی باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔‘‘

۲۔ غيّروا الشيب ولا تشبهوا باليهود والنصارى۔(۲)

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲٦۴، رقم: ۲۲۳۳۷

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الخضاب، ۴: ۲۳۲، رقم: ۱۷۵۲

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الزينة، باب الإذن بالخضاب، ۸: ۱۳۷، رقم: ۵۰۷۳

''بڑھاپے کو بدلو اور یہودیوں کی مشابہت نہ رکھو۔''

۳۔ **إذا كان لأحدكم ثوبان فليصل فيهما، فإن لم يكن إلّا ثوب، فليتزر به، ولا يشتمل اشتمال اليهود۔**(۱)

''جب تمہارے پاس دو کپڑے ہوں تو ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور جب ایک ہی ہو تو اسے تہبند کی طرح باندھ لو اور اسے یہودیوں کی طرح نہ لٹکاؤ۔''

۴۔ **خالفوا اليهود، فإنّهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم۔**(۲)

''یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔''

۵۔ **من فطرة الإسلام الغسل يوم الجمعة والاستنان والاستنشاق وأخذ الشارب، وإعفاء اللحى، فإن المجوس تعفي شواربها وتحفي لحاها فخالفوهم، خذوا شواربكم وأعفوا لحاكم۔**(۳)

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۶۵، رقم: ۱۴۱۵

۴۔ أبو يعلى، المسند، ۱۰: ۴۶، رقم: ۵۶۷۸

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب، ۱: ۱۷۲، رقم: ۶۳۵

۲۔ ابن خريمة، الصحيح، ۱: ۳۷۶، رقم: ۷۶۶

۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۶: ۳۷۱

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ۱: ۱۷۶، رقم: ۶۵۲

۲۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۳۹۱، رقم: ۹۵۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۴۳۲، رقم: ۴۰۵۶

(۳) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۲۳، رقم: ۱۲۲۱

۲۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۱: ۱۳۹، رقم: ۴۱۹

’’فطرت اسلام میں ہے جمعہ کا غسل، دانت صاف کرنا، ناک صاف کرنا، مونچھیں چھوٹی رکھنا اور داڑھی رکھنا، مجوسی مونچھیں رکھتے ہیں اور داڑھی کٹواتے ہیں پس تم ان کی مخالفت کرو مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی رکھو۔‘‘

۶۔ **من جامع المشرک وسکن معه فإنّه مثله۔**(۱)

’’جو شخص مشرک سے صحبت رکھے اور اس کے ساتھ سکونت پذیر رہے تو وہ بھی اسی جیسا ہے۔‘‘

۷۔ **أنا بريء من کل مسلم مقیم بین أظهر المشرکین، قالوا: یا رسول الله، ولِمَ؟ قال: لا ترایا ناراهما۔**(۲)

’’میں ہر مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان مقیم ہے۔ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ مسلمان کافر کی آگ کو نہیں دیکھ سکتا (مراد ہجرت پر اُبھارنا تھا)۔‘‘

۸۔ **طهروا أفنیتکم، فإنّ الیهود لا تطهر أفنیتها۔**(۳)

’’اپنے صحنوں کو صاف رکھا کرو، بے شک یہودی اپنے صحنوں کو صاف نہیں رکھتے۔‘‘

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، باب فی الإقامة بأرض الشرك، ۳: ۹۳، رقم: ۲۷۸۷
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۷: ۲۵۱، رقم: ۷۰۲۳
۳۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۵۹، رقم: ۵۷۵۶

(۲) بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۱۴۲

(۳) ۱۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۲۸۶
۲۔ مناوی، فیض القدیر، ۴: ۲۷۱

۹۔ یورپ پر اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے یورپی اقوام پر گہرا اثر ڈالا یورپ وحشت و بربریت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی گلیاں گندے جوہڑ اور گندگی تعفن پھیلا رہی تھی۔ گھنے اور بے راہ جنگلوں میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ تہذیب و ثقافت، سیاست وتمدن اور علوم وفنون کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان گھمبیر حالات میں عرب سے ایک تحریک اٹھی اور صرف نوے (۹۰) برس میں عرب سے بحیرہ اسود اور سمرقند سے ساحل اطلس اور وسط فرانس تک چھا گئی۔ ہر طرف مساجد اور علوم وفنون کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوئے عربی علوم یورپی زبانوں میں منتقل ہوئے۔ موسیولیبان لکھتا ہے:

> ’’عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کے ساتھ۔ انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔ مذہبی مجلس کی کھلی اجازت تھی ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہیں۔‘‘[(۱)]

مسلمانوں کے اس رحم دلانہ اور مشفقانہ سلوک سے متاثر ہو کر صرف غرناطہ میں انیس لاکھ سے زائد عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں نے وہاں نہایت منصفانہ، عادلانہ اور عاقلانہ حکومت کے ہزاروں مدارس قائم کئے ملک کو آباد کیا سیکڑوں کارخانے لگائے، نہریں نکالیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری آبادی کو خوشحال اور آسودہ کر دیا۔ ول ڈیورانٹ لکھتا ہے:

> ’’اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی

(۱) موسیولیبان، تمدن عرب: ۲۵۷

مثال اس کی تاریخ میں موجود نہیں۔ ان کا نظم و نسق اس دور میں بے مثال تھا۔ ان کے قوانین سے معقولیت و انسانیت ٹپکتی تھی اور ان کے جج نہایت قابل تھے۔ عیسائیوں کے معاملات ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے سپرد تھے۔ جو عیسوی قانون کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ پولیس کا انتظام اعلیٰ تھا۔ بازار میں وزن اور ماپ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ رومہ کے مقابلے میں ٹیکس کم تھا کسانوں کے لئے عربوں کی حکومت ایک نعمت ثابت ہوئی کہ انہوں نے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کردی تھیں۔‘‘(۱)

اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات دیگر ممالک پر نظریات تک کو محیط تھے۔ مسلمان مشرقی اور وسطی افریقہ، بحرالکاہلی جزائر، ملایا اور چین میں تجارت کے غرض سے گئے تھے مگر اپنی غالب اور پرکشش تہذیب و ثقافت کی وجہ سے وہاں کا نقشہ بدل آئے۔ لہٰذا انڈونیشیا، ملایا، چین اور شرقی و وسطی افریقہ کے کروڑوں مسلمان ان تاجروں کی یاد دلاتے ہیں جو تیرہ سو سال پہلے ان علاقوں میں بغرض تجارت گئے تھے۔ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

’’عربوں کے سپین اور سسل کی تجارتی و صنعتی سرگرمیوں نے یورپ کی تجارت و صنعت کو جنم دیا۔‘‘(۲)

سلمانوں کی علمی خدمات اور مغرب پر احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مصنف لکھتا ہے:

That network, Oriental-Greek-Arabic, is our network. The neglect of Arabic science and the corresponding misunderstanding of our own -mediaeval traditions was partly due to the fact that Arabic studies were considered a part of Oriental studies. The Arabists

(1) Will Durant, *Age of Faith*, p. 297.

(۲) رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت: ۲۶۵

were left alone or else in the company of other orientalists, such as Sanskrit, Chinese or Malay scholars. That was not wrong but highly misleading. It is true the network, our network, included other Oriental elements than the Arabic or Hebrew, such as the Hindu ones to which reference has already been made, but the largest part for centuries was woven with Arabic threads. If all these threads were plucked out, the network would break in the middle.[1]

’’علم کا مشرقی یونانی عربی نظام ہمارا نظام ہے۔ عربی سائنس کو نظرانداز کرنا اور اس کے نتیجے میں ہماری اپنی قرونِ وسطیٰ کے علمی روایت کی غلط تفہیم کا سبب یہ تھا کہ عرب کی سائنس کا مطالعہ مشرقیات کا ہی حصہ سمجھا گیا۔ اہلِ عرب کو یا تو بالکل چھوڑ دیا گیا یا انہیں مشرقی اہلِ علم مثلاً سنسکرت، چینی اور ملائی اہلِ علم کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ یہ غلط ہی نہیں بلکہ شدید گمراہ کن تھا، سچ یہ ہے کہ اس علمی نظام یعنی ہمارے نظام میں عربی یا عبرانی کے علاوہ دوسرے مشرقی عناصر بھی شامل تھے۔ مثلاً ہندو عناصر جن کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن صدیوں تک اس کا بڑا حصہ عربی دھاگوں سے بنا گیا، اگر ان سب دھاگوں کو الگ کر دیا جائے تو (آج کی جدید علمی ترقی کا) یہ تمام نیٹ ورک یہیں پر ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔‘‘

وہ مزید لکھتا ہے:

Much in the field of orientalism is definitely exotic as far as we are concerned, but the religious Hebrew

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 29.

traditions and the scientific Arabic ones are not exotic, they are an integral part of our network today, they are part and parcel of our spiritual existence. The Arabic side of our culture cannot even be called Eastern, for a substantial part of it was definitely Western. The Muslim IBN RUSHD and the Jew MAIMONIDES were born in Cordova within a few years of one another (1126, 1135); AL-IDRISI (XII-2), born in Ceuta, flourished in Sicily; IBN KHALDUN (XIV-2), was a Tunisian; IBN BATUTTA (XIV-2), a Moroccan. The list of Moorish scientists and scholars is a very long one. Spain is proud of them but without right, for she treated them, like a harsh stepmother, without justice and without mercy.(1)

’’جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے لیے مشرقیت کے میدان میں اکثر باتیں بالکل اجنبی ہیں لیکن مذہبی عبرانی روایات اور سائنسی عربی روایات قطعاً بھی اجنبی نہیں۔ وہ ہماری روایات کا لازمی حصہ ہیں، وہ ہمارے روحانی وجود کا جزو لاینفک ہیں، ہمارے کلچر کا عربی پہلو مشرقی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اس کا بڑا حصہ لازمی طور پر مغربی ہے۔ مسلمان ابن الرشد اور یہودی مامون قرطبہ میں چند برس ایک دوسرے کے بعد پیدا ہوئے اور الادریسی کیوٹا میں پیدا ہوا اور سسلی میں پروان چڑھا۔ ابن خلدون تیونس سے تعلق رکھتا تھا اور ابن بطوطہ مراکو سے، شمال مغربی افریقہ کے سائنسدانوں اور اہلِ علم کی ایک طویل فہرست ہے۔ اسپین ان پر بغیر حق کے فخر کر سکتا ہے کیونکہ اسپین نے ان سے ایک ظالم سوتیلی ماں کا سلوک کیا، بغیر کسی انصاف اور رحم کے۔‘‘

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 29.

مسلمان جہاں بھی گئے اپنی تہذیب ساتھ لے کر گئے۔ مثلاً مسلمان تاجر اپنے مال تجارت کے ہمراہ اپنی تہذیب، فلسفہ اور نظریہ زندگی اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور اُن لوگوں کو جو جہالت، بداخلاقی بت پرستی اور باطل اوہام میں مبتلا تھے، خدائے واحد کی پرستش، پاکیزگی اور بلند اخلاقی کا درس دیتے تھے۔ اسلامی تہذیب کو پھیلانے میں صلیبی جنگوں نے بڑی مدد کی۔ اندازاً دوسو برس تک لاکھوں صلیبی مصر، فلسطین، ایشیائے خورد اور شام میں آ کر اسلامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتے رہے۔ صلیبیوں نے پہلی جنگ ۱۱۹۶ء میں یروشلم لے لیا تھا اور یہاں اَسی (۸۰) برس تک حاکم رہے۔ پہلا بادشاہ عربی لباس پہنتا تھا، اس نے مسلمانوں کی طرح جابجا حمام قائم کئے اور شفا خانے بنائے، یورپی مشنری عربی سیکھنے لگے۔ سامانِ جنگ میں گھوڑوں کی زرہ، تبرطبل اور بارود کا اضافہ ہوا۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی شروع ہوئی، محاصرہ کے عربی طریقے نیز مشرق کے پودے اور کاشت کے طریقے، لذیذ کھانے مثلاً پلاؤ، قورمہ، حلوہ، چٹنیاں، اعلیٰ لباس، عطریات، مسالے، مشروبات، ئیشکر سے شکر نکالنے کی ترکیب اور دیگر متعدد اشیاء مشرق سے مغرب میں پہنچیں۔ وہاں فرنیچر، برتن اور عمارات مشرقی طرز کی بننے لگیں۔ آرٹ نقاشی یہاں تک کہ جلد بندی پر بھی اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ دمشق اور صور (شام کے شہر) کے صنعت شیشہ سازی وینس میں قائم ہوئی، فرانس اور اٹلی میں ریشم بافی ہونے لگی۔ عرب رجز خوانوں سے متاثر ہو کر یورپ کے شعراء نے بھی رجز خوانی شروع کر دی اور لطف یہ کہ بحر، ردیف و قافیہ کے علاوہ تشبیہات واستعارات تک عربوں سے لیے گئے۔ وہی اونٹ، آہو، ریت اور خار مغیلاں کا تذکرہ، وصل وفراق کے قصے اور حسب ونسب پر ناز، عربی ساز مثلاً بنسی، عود، رباب، طنبورہ اور گٹار بھی یورپ میں جا پہنچے۔ یوں عربوں کی شائستگی کا نور آہستہ آہستہ یورپ میں پھیلتا گیا یہاں تک کہ وہ جاہل اور وحشی لوگ ذہنی مشاغل میں حصہ لینے لگے۔ ان کے لباس چمک اٹھے اور وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئے۔

اسلام کے دیے ہوئے شعور کے تحت مسلمانوں نے روزِ اول سے ہی اپنی قومی زندگی کے استحکام کی بنیاد علمی اور فکری ترقی پر رکھی۔ یہی سبب تھا کہ معاصر اقوام مسلمانوں کی اس روایت کی تقلید پر مجبور تھیں:

> Muslims had realized the need of science, mainly Greek science, in order to establish their own culture and to consolidate their dominion, even so the Latins realized the need of science, Arabic science, in order to be able to fight Islam with equal arms and vindicate their own aspirations. For the most intelligent Spaniards and Englishmen the obligation to know Arabic was as clear as the obligation to know English, French or German for the Japanese of the Meiji era. Science is power. The Muslim rulers knew that from the beginning, the Latin leaders had to learn it, somewhat reluctantly, but they finally did learn it. The prestige of Arabic science began relatively late in the West, say in the twelfth century, and it increased gradually at the time when Arabic science was already degenerating. The two movements, the Arabic progress and the Latin one, were out of phase. This is a general rule of life, by the way, rather than an exception, and it applies to individuals as well as to nations. A man generally does his best in comparative obscurity and becomes famous only when his vigor is diminishing; that is all right as far as he is concerned, for it is clear that solitude and silence are the best conditions of good, enduring, work.[1]

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with —

’’مسلمانوں نے سائنس کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا، خصوصاً یونانی سائنس کی، تا کہ وہ اپنا کلچر قائم کر سکیں اور اپنے اقتدار کو مستحکم کر سکیں۔ حتی کہ لاطینیوں نے بھی سائنس یعنی عربی سائنس کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کر لیا۔ تا کہ وہ اسلام کے ساتھ برابری کی بنیادوں پر لڑ سکیں اور اپنے تصورات کی تکمیل کر سکیں۔ سپین اور انگلستان کے جو ذہین ترین لوگ تھے ان سے اکثر کے لئے عربی جاننا بہت ضروری تھا۔ بالکل اس طرح جس طرح انگریزی، فرانسیسی اور جرمن جاننا پیجی دور کے جاپانیوں کے لیے ضروری تھا۔ سائنس طاقت ہے اور مسلمان حکمرانوں نے یہ بھی بہت پہلے سے ہی محسوس کر لیا تھا۔ لاطینی لیڈروں نے بھی اسے سیکھا گو کہ بے دلی کے ساتھ، لیکن انجام کار انہوں نے سائنس کو سیکھ لیا۔ عربی سائنس کی عزت اور عظمت کا آغاز مغرب میں قدرے تاخیر سے ہوا یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بارہویں صدی میں اور یہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت کہ جب عربی سائنس اپنے ہی وطن میں زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی تھی، دو تحریکیں یعنی ترقی عرب اور لاطینی کی اب ختم ہو چکی تھیں۔ یہ زندگی کا عمومی اُصول ہے، اور نہ صرف اجتماعی بلکہ اس کا اطلاق افراد پر بھی ہوتا ہے اور قوموں پر بھی، کہ ایک شخص عام طور پر اس وقت ہی اپنی زندگی کے بہترین کارنامے انجام دیتا ہے جب وہ مقابلتاً کم مشہور ہوتا ہے اور وہ مشہور ہونا اس وقت شروع کرتا ہے جب اس کی استعدادِ کار کمزور ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بڑی حد تک ایک فرد کے لیے بھی درست ہے کیوں کہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ تنہائی اور خاموشی ہی وہ بہترین حالت ہے جس میں بہترین کام کیا جا سکتا ہے۔‘‘

مغرب نے مسلمانوں کی سائنسی کامیابیوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔ مسلم

------ Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 30.

سائنس کے مغرب میں منتقل ہونے کا بڑا ذریعہ تراجم تھے۔ مگر مغرب کی علمی پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ اکثر تراجم اَغلاط سے پُر تھے:

The scientific tradition as it was poured from Arabic vessels into Latin ones was often perverted. The new translators did not have the advantage which the Arabic translators had enjoyed; the latter had been able to see Greek culture in the perspective of a thousand years or more; the Latin translators could not see the Arabic novelties from a sufficient distance, and they could not always choose intelligently between them. As to the Greek classics they came to them with a double prestige, Greek and Arabic. It is as if the Greek treasures, of which Latin scholars were now dimly conscious, were more valuable in their Arabic form; they had certainly become more glamorous. The translation of the Almagest made c. 1175 by GERARD OF CREMONA from the Arabic, superseded a translation made directly from the Greek in Sicily fifteen years earlier![1]

’’وہ سائنسی روایت جو عربی ظرف سے لاطینی میں منتقل ہوئی اکثر و بیشتر برے اثرات کا باعث بنی۔ کیونکہ جو نئے مترجمین تھے انہیں عربی مترجمین جیسی صلاحیتیں حاصل نہ تھیں۔ موخر الذکر لوگ یونانی کلچر کو ایک ہزار سال کے تناظر یا اس سے زیادہ کے تناظر میں دیکھ رہے تھے جبکہ لاطینی مترجمین عربی ندرت کو کافی اور مناسب حد تک نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ اور نہ ہی وہ ترجمہ کرتے ہوئے

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 30.

ذہانت کے ساتھ انتخاب ہی کر سکتے تھے۔ اس طرح یونانی کلاسک ان کے پاس دہری عظمت یعنی یونانی اور عربی کے ساتھ پہنچ رہی تھی۔ یہی معاملہ ان یونانی خزانوں کے ساتھ تھا جن سے لاطینی سکالر بہت کم آگاہ تھے کیونکہ وہ اب عربی میں ہوتے ہوئے زیادہ قدرو قیمت کی حامل تھیں اور یقینی طور پر زیادہ خوشنما بن چکی تھیں۔ المجستی کا وہ ترجمہ جو ۱۱۷۵ء میں عربی سے کیا گیا وہ اس ترجمے سے کہیں زیادہ بہتر تھا جو یونانی سے سسلی میں پندرہ برس پہلے کیا گیا۔‘‘

To return to the Arabic writings (as distinct from Arabic translations of Greek writings) some of the best were translated such as the works of AL-KHWARIZMI, AL-RAZI, AL-FARGHANI, AL-BATTANI, IBN SINA; others of equal value escaped attention, e.g., some books of ' UMAR ALKHAYYAM, AL-BERUNI, NASSIR AL-DIN AL-TUSI; others still appeared too late to be considered, this is the case of the great Arabic authors of the fourteenth century. By that time Latin science had become independent of the contemporary Arabic writings and contemptuous of them. On the other hand, the Latin (and Hebrew) translations from the Arabic include a shockingly large mass of astrological and alchemical treatises and other rubbish. Some of the astrological and alchemical writings, it should be noted, are valuable or contain valuable materials and are to some extent the forerunners of our own astronomical and chemical literature, but many others are worthless, or rather worse than worthless, dangerous and subversive. Even so we should not be too severe in judging those aberrations, for we have not yet succeeded in overcoming them and but for the

control of scientific societies and academies, the incessant criticism coming from the scientific press and the university chairs, our own civilization would soon be overrun and smothered by superstitions and lies.[1]

’’عربی تحریروں کی طرف اگر ہم توجہ کریں تو چند ایک اچھی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا گیا مثلاً الخوارزمی، الزاری، الفرغانی، البتانی، ابن سینا وغیرہ۔ تاہم بہت سی دوسری کتابیں جو بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں وہ مترجمین کی توجہ حاصل نہ کر سکیں۔ مثلا عمر خیام، البیرونی، ناصرالدین الطّوسی کی تصانیف اور بہت سی کتابیں ایسی بھی تھیں جن کا ترجمہ بہت بعد میں ہو سکا۔ یہی صوتحال چودھویں صدی کے عظیم عربی مصنفین کے ساتھ بھی ہوئی اس وقت تک لاطینی سائنس اپنی معاصر عربی تحریروں سے نہ صرف آزاد ہو چکی تھی بلکہ ان پرتنقید بھی کرنے لگی تھی۔ جبکہ دوسری طرف لاطینی اور عبرانی تراجم جو عربی زبان سے کئے گئے تھے ان میں بڑی تعداد فلکیات اور کیمیائی سائنس سے متعلق مسودات کی تھی اور اکثر و بیشتر ان میں سے ایسے تھے جو بالکل بے وقعت تھے۔‘‘

یونان کا سارا علمی ورثہ مغرب تک مسلمانوں کی تصانیف کے مغربی زبانوں میں تراجم کے ذریعے پہنچا:

An Archimedian monograph on the regular heptagon was preserved in the Arabic translation of Thabit ibn Qurra (IX-2) and this was discovered in a Cairo MS. and published in 1926 by CARL SCHOY.In other words, lost treatises of ARCHIMEDES were revealed only in

---

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 32.

1906 and 1926. It is possible that other lost treatises may still be discovered, chiefly in the second manner. The Greek palimpsests have been pretty. well examined and there is little hope of repeating HEIBERG'S stroke of genius and luck, but there is much hope on the contrary of finding Arabic translations of lost Greek scientific books, because many Arabic libraries are still unexplored and many Arabic MSS, undescribed.[1]

’’سات اضلاع کی شکل (ذو سبعۃ الاضلاع) پر ارشمیدس کا ایک مقالہ ثابت بن قرع کے عربی ترجمے میں محفوظ تھا جو حال ہی میں کارلس کوائے کے مسودات میں دریافت ہوا ہے اور ۱۹۲۶ء میں کارلس کوائے نے اسے شائع کیا۔ دوسرے الفاظ میں ارشمیدس کی گم شدہ تحریریں ۱۹۰۶ء اور ۱۹۲۶ء میں دریافت ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کہ بہت سی دوسری گم شدہ تحریریں بھی دریافت ہو جائیں۔ خصوصاً دوسرے طریقے سے۔ یونانی کتبے اس حوالے سے اچھا خیرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور امید ہے کہ ہیبرگ کی ذہانت اور قسمت یہاں دوبارہ دہرائی جائے۔ لیکن بہت زیادہ امید اس کے بالکل برعکس عربی ترجموں میں گمشدہ یونانی سائنسی کتابوں کے پائے جانے کی ہے کیونکہ بہت سی عربی لائبریریاں ابھی تک دریافت نہیں ہوئیں ۔ اور بہت سے عربی مسودات ایسے ہیں جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔‘‘

مسلمانوں نے جس سائنس کو فروغ دیا وہ انسانی اقدار کی امین تھی جبکہ آج کی مغربی علمی ترقی انسانیت کو اس کی بنیادی اقدار سے دور کر رہی ہے:

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 141.

Our judgment of mediaeval science in general must always be tempered by the considerations which have just been offered and by due and profound humility. We may be great scientists (I mean, we modern men), but we are also great barbarians. We know, or seem to know, everything, except the essential. We have thrown religion out of doors but allowed superstitions, prejudices and lies to come in through the windows. We drum our chests in the best gorilla fashion saying (or thinking) "We can do this ...... we can do that ...... yea, we can even blow the world to smithereens," but what of it? Does that prove that we are civilized? Material power can be as dangerous as it is useful; it all depends on the men using it and on their manner of using it. Good or evil are in ourselves; material power does not create it but can multiply it indefinitely.[1]

’’قرون وسطی کی سائنس کے بارے میں ہمارے اندازوں کو ان معروضات کا حامل ہونا چاہیے جنہیں ابھی پورے عجز و انکسار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ہاں میری مراد ہے کہ آج کے جدید انسان عظیم ترین سائنسدان ہو سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم بہت بڑے وحشی بھی ہیں۔ ہم جانتے ہیں یا جاننا چاہتے ہیں ہر چیز سوائے اس کے جو جاننا ضروری ہے۔ ہم نے مذہب کو اپنے دروازوں سے باہر پھینک دیا ہے لیکن اپنے گھروں میں توہمات، تعصّبات اور جھوٹ کو کھڑکیوں سے اندر آنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم اپنے سینوں کو پھلاتے ہیں اور گوریلے انداز میں یہ کہتے ہوئے اور سوچتے ہوئے کہ ہم یہ کر

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p. 32.

سکتے ہیں ہم وہ کر سکتے ہیں بلکہ ہم دنیا کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں، بدل سکتے ہیں لیکن اس کا فائدہ کیا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ایک مہذب قوم ہیں۔ مادی طاقت اتنی ہی خطرناک بھی ہوسکتی ہے جتنی کہ یہ فائدہ مند ہے۔ صرف اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والے اس کو کس طرح سے استعمال کرتے ہیں۔ اچھائی یا برائی ہمارے اندر ہے۔ ہماری طاقت اسے پیدا نہیں کر سکتی لیکن اسے لازمی طور پر بڑھا ضرور سکتی ہے۔‘‘

۱۰۔ اِسلامی تہذیب و ثقافت کا زوال اور اُس کے اَسباب

مغربی مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصّبات کے باوجود اسلام کی عظیم الشان تہذیب اور ثقافت کی نفی نہیں کر سکے۔ انہیں برملا اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمانوں نے یورپ کو تہذیب کی شائستگی کی دولت ہی سے نہیں نوازا بلکہ شخصیت کی تعمیر و کردار کے لئے بنیادیں فراہم کیں، تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو ثقافت کی روشنی سے ہمکنار کیا، جنگل کے قانون کی جگہ ابن آدم کو شرفِ انسانی کی توقیر و احترام کا شعور عطا کیا اور یوں اس کرہ ارضی پر ان مہذب معاشروں کے قیام کی راہ ہموار کی جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ جدید علوم اور ٹیکنالوجی مسلمانوں کی اس روایتِ علمی کی مرہون منت ہے جس نے آٹھ سو سال تک اندلس کی سرزمین پر فروغ پایا اور ذہنوں میں شعور و آگہی کے ان گنت چراغ روشن کئے، انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور مظاہرِ فطرت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے ان کو تسخیر کے لئے انسانیت کو ذہنی طور پر آمادہ کیا لیکن جب بے عملی ہمارا وطیرہ بن گئی، جمود مرگ کو مقدر سمجھ کر ہم نے اپنے سینے سے لگا لیا، اپنی شاندار ثقافتی اقدار کو پس پشت ڈال کر اپنی ملی غیرت کو بھی اغیار کے ہاتھوں گروی رکھ دیا تو زوال و انحطاط کی تاریکیاں ہمارا مقدر بن گئیں۔ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے جب ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا جذبہ سرد پڑ گیا تو اُمتِ مسلمہ کی سوچ بھی جمود کی دبیز تہہ کے نیچے دفن ہوگئی۔

آج ملت اسلامیہ مقامی اور محدود وابستگیوں کو اپنا معیار شناخت بنانے کے سبب سے اس عالمگیر و ثقافتی وحدت سے محروم ہو چکی ہے جو اس کا مقدر تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دورِ جدید میں جبکہ بقا کی جنگ ثقافتی میدان میں لڑی جا رہی ہے اسلام کسی موثر کردار سے محروم ہے:

> For Huntington, culture worked at the level of motivation. States remained key actors, but civilizational politics became real when states and peoples identified with each other's cultural concerns or rallied around the 'core state' of a civilization. The Orthodox, Hindu, Sinic, and Japanese civilizations were clearly centered in powerful unitary states. The West had a closely linked core that included the United States, Germany, France, and Britain. Islam was without a clear core state, and for this reason experienced much more intra-civilizational conflict as a number of contenders-Turkey, Iran, Iraq, Egypt, Saudi Arabia-competed for influence. The fact that Islam was divided did not refute the idea that a pan-Islamic consciousness existed. (1)

’’ہنٹنگٹن کے مطابق کلچر کا ایک ترغیبی کردار ہے۔ ریاستیں کلیدی کردار رکھتی ہیں لیکن اس وقت تہذیبی سیاست حقیقی کردار بن جاتی ہے جب ریاستیں اور لوگ ایک دوسرے کو ثقافتی تحفظات کے ذریعے پہچانتے ہیں یا ایک تہذیب پر مشتمل ریاستی منطقہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ قدیم کلیسا، ہندو، چینی، اور جاپانی تہذیبیں واضح طور پر طاقتور واحدانی وراثتوں میں مرتکز تھیں۔ مغرب میں ایک

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 462.

واضح اندرونی تعلق موجود ہے جن میں امریکہ، جرمنی، فرانس اور برطانیہ شامل ہیں۔ اسلام کسی واضح ریاستی منطقے سے محروم تھا اس لئے اسے کئی بین التہذیبی تنازعات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ کئی مدعیوں مثلاً ترکی، ایران، عراق، مصر اور سعودی عرب میں اثر و رسوخ کے حصول کیلئے مقابلہ بازی جاری رہی۔ (تاہم) یہ حقیقت - کہ اسلام تقسیم تھا - اس تصور کی نفی نہیں کرتی کہ ایک پان اسلامی شعور موجود تھا۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ تہذیبی اثرات کے تحت ہی قومیں معاصر دنیا میں اپنا مقام متعین کرتی ہیں۔ آج مغربی تہذیب کا غلبہ اس تہذیبی عنصر کی بدولت ہے جس سے آج کی دوسری تہذیبوں خصوصاً اسلام محروم ہے:

Civilizations represent coherent traditions, but are dynamic over time and place. For instance, medieval Christendom drew on ancient and eastern civilizations for many of its philosophical and technological advances; subsequently, Christendom was remolded into a European civilization based around the nation-state and, finally, was expanded and adapted in North America, and re-designated as Western civilization.(1)

"تہذیبیں مربوط روایات کا اظہار ہوتی ہیں لیکن یہ زماں اور مکان سے زیادہ حرکی ہیں۔ مثلاً قرون وسطیٰ کی عیسائیت کے اثرات قدیم اور مشرقی تہذیبوں اور ان کے فلسفیانہ اور ٹیکنالوجیکل پیش رفت پر ہوئے۔ بعد میں یہی دنیائے عیسائیت یورپی تہذیب میں بدلی جس کی بنیاد قومی ریاست پر قائم ہے اور انجام

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 458.

کار اس کی توسیع ہوئی اور اسے شمالی امریکہ نے اختیار کیا جو مغربی تہذیب کی شکل اختیار کر گئی۔‘‘

اسلام جب سے علاقائی شناختوں کی تقسیم کا شکار ہوا ہے، نہ صرف عالمگیر تہذیب ہونے کے مقام اور منصب سے محروم ہوگیا بلکہ دنیا پر مثبت اثرات مرتب کرنے کی بجائے، جو اس کا فرضِ منصبی تھا، دیگر تہذیبوں کے مقابل مغلوبیت کا شکار ہے:

The Islamic world represents an example par excellence of the experience of almost all non-Western cultures in the modern age. Islamic peoples have had to deal with the geopolitical and cultural hegemony of the West since the eighteenth century. The collapse of the Ottoman empire at the end of the First World War heralded a new era in which the secular, nationalist, and authoritarian state became the dominant form of organization. Modernizers argued that Islam was the cause of backwardness and decline, and that modernization required the imitation of Western forms of culture and organization. In Turkey, the Ottoman Caliphate was abolished in 1924, and Western forms of law, script, and dress enforced. Women were forcibly unveiled. A similar model was adopted in Iran and the Arab world, although the attack on Islam was never quite so thoroughly pursued. Islam was divided by Turkish, Iranian, and Arab nationalism.(1)

’’جدید دور میں غیر مغربی ثقافتوں کے تجربے کی بہترین مثال اسلامی دنیا پیش

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 463.

کرتی ہیں۔ اٹھارویں صدی سے مسلم دنیا کو مغرب کے سیاسی اور ثقافتی غلبے کا سامنا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے زوال سے نئے دور کا آغاز ہوا۔ جس میں سیکولر، قوم پرست اور مقتدر ریاست تنظیم کی غالب شکل میں سامنے آئی۔ جدیدیت پسند یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام پسماندگی اور زوال کا سبب ہے اور جدیدیت کے لیے ضروری ہے کہ مغربی ثقافت اور تنظیمی ڈھانچے کی پیروی کی جائے۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں عثمانی خلافت ختم کر دی گئی اور مغربی قانون، رسم الخط اور لباس نافذ کر دیا گیا۔ عورتوں کے نقاب جبراً اتار لیئے گئے، اس طرح کا طرز عمل ایران اور عرب دنیا میں اپنایا گیا، اگرچہ اسلام پر یہ حملہ کلی طور پر جاری نہ رہا، اسلام ترکی، ایرانی اور عرب قومیت میں تقسیم ہو گیا۔‘‘

زوال کا یہ عمل ناگہانی آفت بن کر اِس اُمت پر مسلط نہیں ہوا، بلکہ یہ صدیوں کا عمل ہے جو کچھ اسباب اور عوامل کے تحت وقوع پذیر ہوا۔ سیرۃُ الرسول ﷺ میں ہمیں اس باب میں بھی بڑی واضح رہنمائی ملتی ہے۔ تاہم یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک بہت ہی جامع ارشاد مبارک بیان کیا جاتا ہے جو ان اسباب وعلل کا جامع احاطہ کرتا ہے:

من اقتراب الساعة اثنتان وسبعون خصلة إذا رأيتم الناس أماتوا الصلاة وأضاعوا الأمانة وأكلوا الربا واستحلوا الكذب واستخفوا الدماء واستعلوا البناء وباعوا الدين بالدنيا، وتقطعت الأرحام ويكون الحكم ضعفاً والكذب صدقاً والحرير لباسًا وظهر الجور وكثر الطلاق وموت الفجاءة وائتمن الخائن وخوّن الأمين وصدق الكاذب وكذب الصادق وكثر القذف وكان المطر قيضاً والولد غيضاً وفاض اللئام فيضًا وغاض الكرام غيضًا وكان الأمراء فجرة والوزراء كذبة والأمناء خونة والعرفاء ظلمة

والقراء فسقة إذا لبسوا مسوک الضأن قلوبهم أنتن من الجيفة وأمر من الصبر يغشيهم الله فتنة يتهاوكون فيها تهاوک اليهود الظلمةوتظهر الصفراء يعنى الدنانير وتطلب البيضاء يعني الدراهم وتكثر الخطايا وتغل الأمراء وحليت المصاحف وصوّرت المساجد وطولت المنائر وخرّبت القلوب وشربت الخمور وعطلت الحدود وولدت الأمة ربها وترى الحفاة العراة وقد صاروا ملوكاً وشاركت المرأة زوجها في التجارة وتشبه الرجال بالنساء والنساء بالرجال وصله بالله أن يستحلف وشهد المرء أن يستشهد وسلم للمعرفة وتفقه لغير الدين وطلبت الدنيا بعمل الآخرة واتخذ المغنم دولاً والأمانة مغنما والزكاة مغرمًا وكان زعيم القوم أرذلهم وعق الرجل أباه وجفا أمه وبر صديقه وأطاع زوجته وعلت أصوات الفسقة في المساجد واتخذت القينات والمعازف وشربت الخمور في الطرق واتخذ الظلم فخرًا وبيع الحكم وكثرت الشرط واتخذ القرآن مزامير صفافاً والمساجد طرقاً ولعن آخر هذه الأمة أولها فليتقوا عند ذالک ريحًا حمراء وخسفًا ومسخًا و آيات۔(۱)

’’بہتر (۷۲) چیزیں قربِ قیامت کی علامات ہیں: جب تم دیکھو کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں، امانت ضائع کرنے لگیں، سود کھانے لگیں، جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں، معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگیں، اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے

(۱) ۱۔ أبونعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۳: ۳۵۸، ۳۵۹
۲۔ سيوطي، الدر المنثور فى التفسير بالماثور، ۶: ۵۲

لگیں، دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں، رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے، انصاف کمزور ہو جائے، جھوٹ سچ بن جائے، لباس ریشم کا ہو جائے، ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے، خیانت کار کو امین اور امانتدار کو خائن سمجھا جائے، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے، تہمت تراشی عام ہو جائے، بارش کے باوجود گرمی ہو، اولاد غم و غصہ کا موجب ہو، کمینوں کی ٹھاٹھیں ہوں، اور شریفوں کا ناک میں دم آجائے، امیر وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں، امین خیانت کرنے لگیں، سردار ظلم پیشہ ہوں، عالم اور قاری بدکار ہوں گے، جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں، ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور لوہے سے زیادہ سخت ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا، جس میں وہ یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے اور (جب) سونا عام ہو جائے گا، چاندی کی مانگ ہوگی، گناہ زیادہ ہو جائیں گے، امن کم ہو جائے گا، مصاحف کو آراستہ کیا جائے گا، مساجد میں نقش و نگار کئے جائیں گے، اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے، دل ویران ہونگے، شرابیں پی جائیں گی، شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا، لونڈی اپنے آقا کو جنے گی، جو لوگ (کسی زمانے میں) برہنہ پا اور ننگے بدن رہا کرتے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے، زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی، مرد، عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی، غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی، مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہو گا، جان پہچان پر سلام کیا جائے گا، غیر دین کے لئے شرعی قانون پڑھا جائے گا، آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی، غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا، سب سے ذلیل آدمی قوم کا حکمران بن بیٹھے گا، بیٹا اپنے باپ کا نافرمان ہو گا، ماں سے بدسلوکی کرے گا، دوست سے نیکی کرے گا اور بیوی کی اطاعت کرے گا، بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں

بلند ہونے لگیں گی، گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی اور گانے کا سامان رکھا جائے گا، سرِ راہ شرابیں اڑائی جائیں گی، ظلم کو فخر سمجھا جائے گا، انصاف بکنے لگے گا، پولیس کی کثرت ہو جائے گی، قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنا لیا جائے گا، درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے اور امت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔‘‘

سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں اسلام کی تہذیب و ثقافت کا یہ مختصر تجزیہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ اپنی تابناک تہذیب کے لئے نہ صرف سیرت الرسول ﷺ کی رہینِ منت ہے بلکہ اس کی تہذیبی اور ثقافتی بقا بھی سیرۃُ الرسول ﷺ سے وابستگی میں ہی مضمر ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)۔ **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۴۔ **ابن أبي أصيبعه**، موفق الدين أبو العباس احمد بن القاسم بن خليفة السعدی الخزرجی (۶۰۰۔۶۶۸ھ)۔ **عيون الأنباء فی طبقات الأطباء۔** بیروت، لبنان: مكتبة الحياة، ۱۹۶۵ء۔

۵۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد۔** بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۶۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **التاریخ الکبیر۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۸۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔

۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۱۰۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۱۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔ ۱۲۰۱ء)۔ زاد المسیر في علم التفسیر۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۱۳۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱/ ۱۹۹۰۔

۱۴۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۵۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ فتح الباري شرح صحیح بخاري۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۶۔ **حسام الدین ہندی**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۱۷۔ **حسن ابراہیم**، ڈاکٹر حسن۔ تاریخ الإسلام۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، ۱۹۶۴ء۔

۱۸۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ البیان والتعریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۱۹۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن إسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۲۰۔ **ابن خلدون**، عبد الرحمٰن بن محمد الحضرمی (۷۳۲۔۸۰۸ھ)۔ **مقدمه کتاب العبر وديوان المبتدا والخبر فی العرب والبربر ومن عاصر هم من ذوی الشأن الاکبر** (المعروف بـ: **مقدمة ابن خلدون**)۔ بیروت، لبنان: دار الفکر للطباعۃ والنشر، ۲۰۰۳ء۔

۲۱۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۲۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۲۳۔ **ابو داود**، سلیمان بن أشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۲۴۔ **ابو داود**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۵۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔ ۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۶۔ **ابن راشد**، معمر الأزدی (۱۵۱ھ)۔ **الجامع**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۲۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان

(۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ الدر المنثور في التفسير بالمأثور۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

۲۸۔ **شافعی**، ابوعبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ

۲۹۔ **شہرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد (۴۷۹۔۵۴۸ ھ)۔ الملل والنحل۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۲۰۰۱ء۔

۳۰۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن إبراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۱۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۳۲۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔موصل،عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔

۳۳۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔تاریخ الأمم والملوک۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۳۴۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معاني الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۵۔ **ابن عبد البر**، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمہید۔مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۳۶۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۳۷۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر (المعروف بـ: تاریخ ابن عساکر)**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۳۸۔ **غزالی**، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰۔۵۰۵ھ)۔ **قسطاس المستقیم (المعروف بـ: مجموعۃ رسائل إمام غزالی)**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۳۹۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی بن مفرج أموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۰۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایۃ والنہایۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۱۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۴۲۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۳۔ **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔ ۷۹۸ء)۔ **کتاب الزھد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۴۴۔ **مسلم**، ابن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔

الصحیح۔ بیروت، لبنان: دارا حیاء التراث العربی۔

۴۵۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۴۶۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترھیب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۴۷۔ **نسائی**، احمد بن شعیب، ابو عبدالرحمٰن (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۴۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب، ابو عبدالرحمٰن (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۴۹۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن إسحاق بن موسیٰ بن مہران أصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۰۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیٰی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح المسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۵۱۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۲۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۳۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

54. Arnold J. Toynbee, *A Study of History, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell*, Oxford University Press, 1947.

55. Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, American Book, 1931, p-76

56. Dimitri Gutas, *Greek Thought-Arabic Culture, The Graeco-Arabic translation movement in Baghdad and early Abbasid society*, Routledge, London, 1999, p.185-88.

57. Draper, *History of Intellectual Development of Europe*.

58. George Sarton, *A Guide to the History of Science*, A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952.

59. Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, Thomas Learning Inc., High Holborn House, 50-51 Bedford Row, London, WCIR 4LR, UK, 2006.

60. Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001.

61. Thomas Arnold & A. Guillaume, *The Legacy of Islam*, OUP, 1931.

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

62. Will Durant, *The Age of Faith*: A History of Medieval Civilization Christian, Islamic, and Judaic--from Constantine to Dante: A.D. 325-1300, Simon & Schuster, NY, 1950

www.MinhajBooks.com